قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

کیا یہ سچ ہے کہ آئندہ پارلیمانی انتخاب میں مسلمان بابری مسجد کے قاتلوں سے
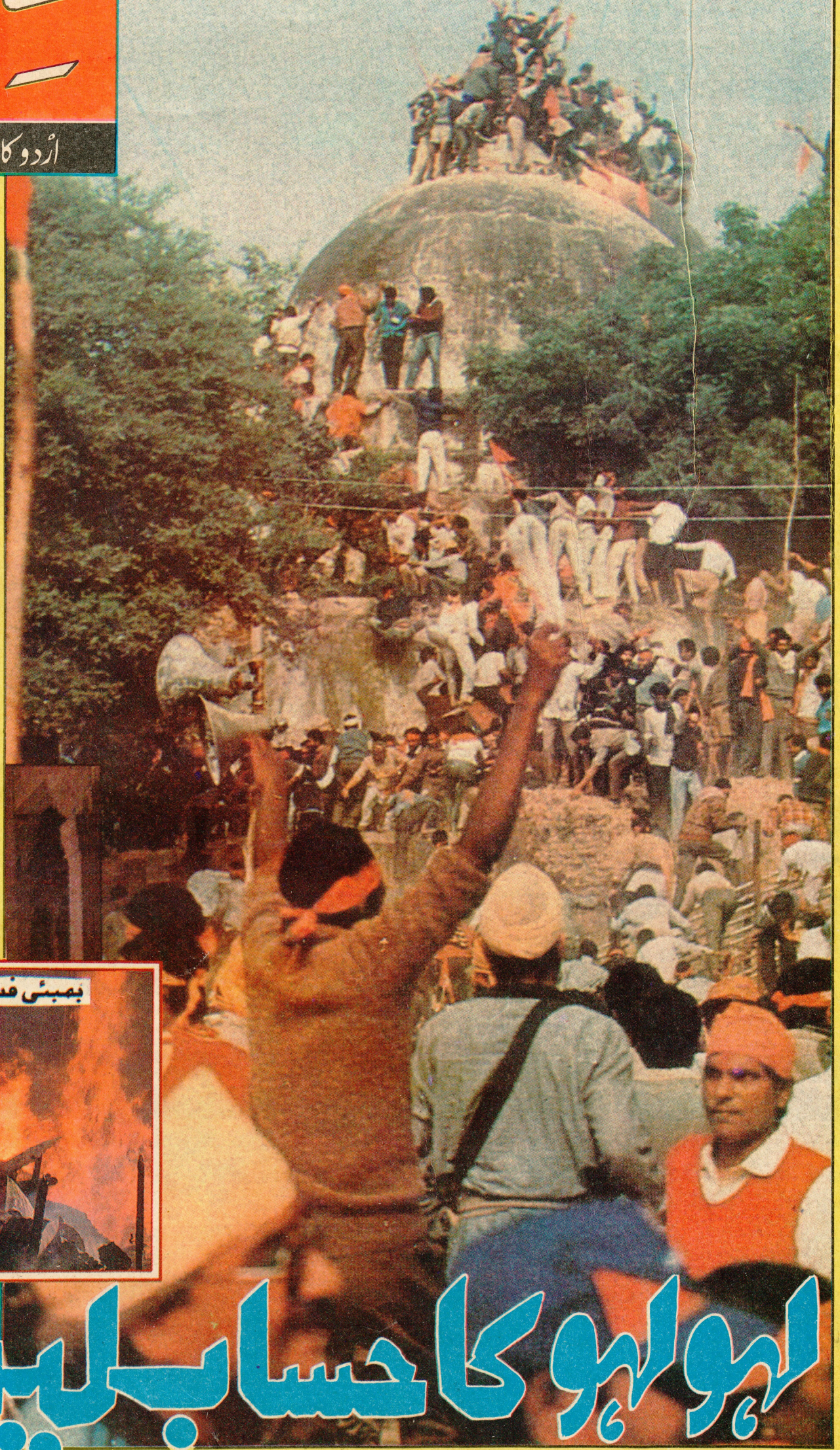
لہو لہو کا حساب لیں گے

بمبئی فساد کا ایک منظر

اس شمارے میں

اس کے علاوہ دیگر بہت سے موضوعات اور مستقل کالم

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60 p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	Us.$1.25

کیا کچھ لوگ بمبئی کو پھر شعلوں کی نذر کردینا چاہتے ہیں

شرپسندوں کی کئی سازشیں ناکام مگر حالات اب بھی دھماکہ خیز

کیا بمبئی کو ایک بار پھر فسادات کے شعلوں کی نذر کردینے کا خوفناک پلان تیار کیا گیا ہے اور کیا عوام کی چوکسی کے باوجود شرپسند عناصر اپنی سازشوں میں کامیاب ہوجائیں گے ؟۔ گذشتہ دنوں بمبئی میں وقوع پذیر ہوئے مختلف واقعات کی روشنی میں یہ سوالات سر اٹھا رہے ہیں، ان میں سب سے اہم اور قابل ذکر واقعہ فلمی اداکارہ منیشا کوئرالا کو ملی قتل کی مبینہ دھمکی اور اس کی ایک تازہ ترین فلم "کرمنل" سے متعلق اخبارات میں شائع ہونے والا اشتہار ہے۔

واضح رہے کہ منیشا کوئرالا نے منی رتنم کی فلم بمبئی میں ایک مسلم لڑکی کا کردار ادا کیا تھا جو پہلے ایک برہمن لڑکے سے محبت کرتی ہے اور پھر گھر سے بھاگ کر اس کے ساتھ شادی کرلیتی ہے۔ اس فلم میں ایسی کئی قابل اعتراض باتیں ہیں جن کے خلاف کچھ مسلم تنظیموں نے حیدرآباد اور بمبئی میں احتجاج کیا تھا جس کی بنا پر یہ فلم اپنے وقت مقررہ سے ایک ہفتہ بعد ریلیز ہوئی تھی۔ یہ واقعہ تھوڑا پرانا ہوگیا۔ اسی سے متعلق ایک اور واقعہ ابھی گذشتہ دنوں رونما ہوا تھا۔ منی رتنم پر کسی نے بم سے حملہ کردیا۔ انہیں معمولی چوٹیں آئیں۔ لوگوں نے فوراً مسلمانوں پر شبہ ظاہر کیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ کام تملوں کا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بات مسلم مخالف لوگوں کے گلے سے نیچے نہیں اتر رہی ہے کہ اس حملے کے پس پردہ مسلمان نہیں رہے ہوں گے۔

دریں اثنا ایک دن اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر نے لوگوں کو چونکا دیا کہ منیشا کوئرالا کو بھی قتل کی دھمکیاں مل رہی ہیں جس کے سبب اسے سیکورٹی دے دی گئی ہے۔ چار مسلح پولیس والوں کو اس کے تحفظ کی ذمہ داری پر لگا دیا گیا ہے۔ اس خبر کے شائع ہوتے ہی منیشا کوئرالا کے گھر اس کے شیدائیوں کے فون آنے لگے۔ دوسرے دن کے چند اخبارات نے اس سنسنی خیز ماحول کو مزید سنسنی خیز بلکہ فرقہ وارانہ بنا دیا۔ بمبئی کے تین اخباروں "نوا کال" "دی ڈیلی" اور "دی آفٹر نون ڈسپیچ اینڈ کوریئر" نے اپنے نمائندوں کے حوالے سے اس عنوان کے ساتھ ایک سنسنی خیز خبر شائع کی کہ "منیشا کوئرالا کا قتل، مجرم فرار"۔ اس خبر نے پرامن ماحول میں زبردست گرمی اور کشیدگی پیدا کردی اور چونکہ منیشا کوئرالا کو ملنے والی دھمکی کے مسلمانوں پر شبہ ظاہر کیا جارہا تھا اس لئے مسلم مخالف جذبات پروان چڑھنے لگے۔ منیشا کے گھر، پولیس ہیڈ کوارٹر اور اخبارات کے دفاتر میں ٹیلی فون کال کی بھرمار ہونے لگی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر خبر نہیں تھی بلکہ ایک چٹپٹا اشتہار تھا جو اس کی حالیہ فلم "کرمنل" (مجرم) کے بارے میں تھا۔ دو اخبارات نے کونے میں اشتہار لکھ دیا تھا لیکن ایک اخبار نے اتنی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ ایسے ماحول میں جبکہ منی رتنم پر حملہ ہوچکا ہو اور منیشا کو قتل کی مبینہ دھمکیاں مل رہی ہوں۔ یہ اشتہار کتنا خطرناک تھا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دراصل فلم کرمنل میں منیشا کا قتل ہوجاتا ہے اور قاتل فرار ہوجاتا ہے، اس منظر کو جذباتی انداز میں پیش کرکے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی تھی تاکہ ایک تنازعہ کھڑا ہو اور شائقین جوق در جوق اس فلم کو دیکھنے کے لئے آئیں۔ لیکن فلم کے ڈائرکٹر اور پروڈیوسر مہیش بھٹ اور مکیش بھٹ نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے جو ہتھکنڈہ اپنایا وہ قابل مذمت ہے۔ اگر انہیں تنازعہ کھڑا کرکے فلم کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچانا تھا تو کیا اسے فرقہ وارانہ رنگ دینا ضروری تھا کیا کوئی دوسرا طریقہ نہیں اپنایا جاسکتا تھا۔ دراصل تنازعات کھڑے کرکے اس سے فائدہ اٹھانے کی روایت فلمی دنیا میں بہت پرانی ہے۔ لیکن اب یہ روایت فرقہ وارانہ رنگ و روپ اختیار کرکے تشویش ناک ہوتی جارہی ہے۔ فلم بمبئی کی مثال سامنے ہے۔

> یہ اقدام کتنا خطرناک تھا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بمبئی فسادات کی عدالتی کاروائی چلانے والے جسٹس شری کرشنا نے فی الفور اس کانوٹس لیا اور اخبارات کے پبلیشرز اور فلم کے پروڈیوسر کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ 505 کے تحت مقدمہ قائم کردیا

منیشا کوئرالا کے قتل کے نام پر فساد کرانے کی سازش

مہیش بھٹ اور مکیش بھٹ نے فلم بمبئی اور ایک دوسری حالیہ فلم "بیوفا صنم" سے ترغیب حاصل کرکے یہ خطرناک اور مذموم قدم اٹھایا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ "بمبئی" فرقہ وارانہ نوعیت کی فلم تھی اور بیوفا صنم کے اشتہارات اخبارات میں تقریبا اسی طرح شائع کرائے گئے تھے لیکن اسے فرقہ وارانہ شکل نہیں دی گئی تھی جبکہ مذکورہ دونوں بھٹوں نے دو قدم آگے جاکر سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

یہ اقدام کتنا خطرناک تھا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بمبئی فسادات کی عدالتی کارروائی چلانے والے جسٹس شری کرشنا نے فی الفور اس کا نوٹس لیا اور اخبارات کے پبلیشرز اور فلم کے پروڈیوسر کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ 505 کے تحت مقدمہ قائم کردیا گیا۔ جسٹس شری کرشنا کے مطابق یہ اشتہار فرقہ واریت میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن مکیش بھٹ کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ وہ اس خیال سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب میں فلم میں منیشا کو مار سکتا ہوں تو اشتہار میں کیوں نہیں مار سکتا۔ وہ فلمی دنیا میں موجود سنسنی خیزی کے نام پر اپنے اس اقدام کو جائز ٹھہراتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پورا معاملہ گھڑا ہوا ہے۔ منصوبہ بندی کے تحت ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ منیشا کوئرالا کو سیکورٹی ملنے کے اگلے دن ہی اشتہارات کی اشاعت کسی پلاننگ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ادھر منیشا کو قتل کی دھمکیوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے نہ ہی وہ پریشان ہے۔ بہرحال ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہوگیا ہے اور اگر اس قسم کے رجحان پر قابو نہیں پایا گیا تو یہ لوگ بمبئی کو پھر آگ اور خون کے حوالے کرسکتے ہیں۔

ہندو جماعتوں اور ان کے لیڈروں پر حملے سے سکندر بخت کے پیٹ میں مروڑ

کیا سکندر بخت نے مسلمانوں پر فرقہ پرستوں کی یلغار کے خلاف بھی کبھی کوئی آواز بلند کی؟

ایسا لگتا ہے کہ جیسے تمل ناڈو کے مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرست جماعتوں کی جانب سے کوئی بڑی کارروائی ہونے والی ہے۔ ابھی گذشتہ دنوں تمل ناڈو ہندو منانی کے صدر نے مسلمانوں کو بھیانک انتقام کی دھمکی دی تھی (جس کی مفصل رپورٹ ملی ٹائمز کے گذشتہ شمارے میں شائع کی گئی ہے) ابھی اس دھمکی کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بی جے پی نے وہاں کے مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کی ریاستی حکومت سے اپیل کر ڈالی۔ بی جے پی کے پانچ بڑے لیڈروں پر مشتمل ایک وفد نے سکندر بخت کی قیادت میں تمل ناڈو کا دورہ کیا تھا۔ واپسی پر اس وفد نے وہاں ہندو جماعتوں اور ان کے لیڈروں پر ہونے والے بم دھماکوں کا الزام مسلمانوں پر عائد کرتے ہوئے ریاستی حکومت سے ان کے خلاف سخت ترین ایکشن لینے کی درخواست کی ہے۔ ان لوگوں نے تمل ناڈو میں پروان چڑھنے والے بم کلچر کا ذمہ دار مسلمانوں کو گردانا ہے۔

اس بات پر سکندر بخت کے پیٹ میں شدید مروڑ ہو رہا ہے کہ وہاں ہندو منانی اور آر ایس ایس پر مسلسل بموں کے حملے ہو رہے ہیں اور حکومت ان حملہ آوروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر رہی ہے۔ اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 1993 میں آر ایس ایس کے صدر دفتر پر ہونے والے حملے کے مجرموں کو بھی نہیں پکڑا گیا ہے جس میں 11 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ سکندر بخت کے بقول ان دھماکوں کے نتیجے میں امن و قانون کو زبردست خطرہ لاحق ہوگیا ہے اور فرقہ واریت میں اضافہ ہونے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ اس وفد میں سکندر بخت کے علاوہ راجیہ سبھا رکن اور پارٹی کے نائب صدر جے پی ماتھر، راجیہ سبھا رکن او۔ راج گوپال، کرناٹک کے ایم پی دھننجے کمار اور پارٹی کی جنرل سکریٹری سشما سوراج بھی شامل تھے۔

سکندر بخت کا کہنا ہے کہ آر ایس ایس کے دفتر پر ہونے والے حملے میں 19 ملزموں میں سے 16 پکڑے گئے تھے پانچ کے بارے میں خیال ہے کہ وہ کیرالا بھاگ گئے اور وہاں سے کسی اور ملک میں چلے گئے۔ لیکن سی بی آئی نے نہ تو انہیں پکڑنے کے لئے بین الاقوامی مہم چلائی اور نہ ہی ریاستی حکومت نے کیرالا حکومت سے انہیں واپس کرنے کی اپیل کی۔ سکندر بخت کو اس بات پر بہت دکھ ہے کہ " ہمارے دفاتر بموں سے اڑ رہے اور ہمارے ورکر مارے جارہے ہیں۔ ہمارے لیڈروں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ لیکن ملزموں کو پکڑنے کے لئے نہ تو کوئی کارروائی ہوئی اور نہ ہی آئندہ ایسے اقدامات کو روکنے کے لئے کوئی قدم اٹھایا گیا "۔ ان کے بقول افسران نے ال امہ نامی ایک تنظیم کے ذمہ داروں ایس۔ اے باشا، امام علی، حیدر علی اور پلانی بابا کے ناموں کی فہرست جاری کی تھی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ باشا کئی بار پکڑا گیا مگر ہر بار اس کی ضمانت ہوگئی۔

> کیا انہوں نے کبھی بمبئی اور سورت کے مظلومین کے حق میں کوئی مہم چلائی یا بی جے پی، آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کی مسلمانوں کے خلاف مجرمانہ سرگرمیوں پر ان کے ضمیر نے کبھی انہیں لعنت ملامت کی؟

ہندو جماعتوں پر ہونے والے بم دھماکوں اور ان میں ملوث مبینہ طور پر مسلمانوں کی گرفتاری کی پرزور آواز اٹھانے والے سکندر بخت کیا یہ بتانے کی زحمت کریں گے کہ انہوں نے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف بھی کبھی کوئی آواز اٹھائی ہے۔ کیا ہندو تنظیموں کی جانب سے مسلمانوں پر ہونے والے ملک گیر حملوں پر بھی ان کے پیٹ میں کبھی مروڑ اٹھا ہے۔ کیا انہوں نے فرقہ پرستوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے کبھی مرکزی یا کسی ریاستی حکومت سے کوئی اپیل کی ہے۔ کیا انہوں نے بمبئی اور سورت کے مظلومین کے حق میں کبھی کوئی مہم چلائی یا بی جے پی، آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کی مسلمانوں کے خلاف مجرمانہ سرگرمیوں پر ان کے ضمیر نے کبھی انہیں لعنت ملامت کی؟ دراصل سکندر بخت نے اپنا ضمیر بی جے پی کے ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے اس لئے انہیں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی زیادتیاں کبھی نظر نہیں آتیں۔ وہ حق نمک ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرنے پر مجبور ہیں۔

قاتلان بابری مسجد کا معافی تلافی کا ڈرامہ، مگر مسلمانوں کی ایک ہی آواز

عام انتخابات میں ہم ایک ایک قطرۂ خوں کا حساب لیں گے

تحریر: سہیل انجم

بابری مسجد کی شہادت کو پونے تین سال ہوگئے ہیں لیکن اس کا قہر اب بھی اس کے قاتلوں کا پیچھا کر رہا ہے۔ بلکہ وقت گزرنے اور عام انتخابات کے قریب آنے کے ساتھ ساتھ ان پر بابری مسجد کی دہشت اور ہیبت شدت سے طاری ہوتی جارہی ہے۔ وہ خوفزدہ ہیں اس بات سے کہ کہیں بابری مسجد کا عذاب ان کی سیاسی زندگی کو تہ و بالا نہ کردے، عام انتخابات کے طوفان بلاخیز میں ان کا وجود تنکے کی مانند بہہ نہ جائے اور وہ سیاست کے بحرالکاہل میں غرقاب نہ ہوجائیں۔ انہیں ڈر ہے اس بات کا کہ کہیں بابری مسجد کی مظلومیت ان کا احتساب نہ شروع کردے، اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کی قیمت طلب نہ کرنے لگے۔ ان پر لرزہ طاری ہے اس خیال سے کہ وہ نہ صرف بابری مسجد کے قاتل ہیں بلکہ اس کے حلیفوں کو تہ تیغ کرنے کے بھی ذمہ دار ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بابری مسجد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مظلومیت بھی ان کا گریبان پکڑ لے اور فسادات میں بہنے والے ایک ایک قطرہ خوں کا حساب مانگنے لگے اس کی قیمت وصول کرنے لگے۔

بابری مسجد کے قاتلوں اور مسلمانوں کو فسادات کی چکی میں پیسنے والوں کا طبقہ خوف و دہشت کی اس جاں گسل کیفیت سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بالواسطہ طور پر اعتراف کر رہا ہے کہ ہاں وہی بابری مسجد کی شہادت کا ذمہ دار ہے

وزیر اعظم کا دورہ بریلی ناکام ہوگیا اور پوار کی معافی ٹائیں ٹائیں فش ہوگئی

اور اسی نے اس تباہی و بربادی کا ماحول تیار کیا تھا۔ ایسے سیاستدانوں بالخصوص کانگریسی لیڈروں کو اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی احساس ہے کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کا یہ جرم معاف کرسکتے ہیں اور انہیں سیاسی تباہی کے دلدل سے نکال کر نئی زندگی عطا کرسکتے ہیں۔ ان کے لئے انتخابی طوفان کے منجدھار میں ایک مضبوط اور طاقتور سہارا بن سکتے ہیں۔ اسی لئے وہ ایسے داؤ پیچ چل رہے ہیں کہ مسلمان اس میں الجھ جائیں اور بابری مسجد کی شہادت و فسادات کی سفاکیت کو فراموش کرکے انہیں اپنے قیمتی ووٹوں سے فیضیاب کردیں اور ایک بار پھر انہیں اقتدار کے مسند بلند پر متمکن کردیں۔

معافی مانگنے کی سیاست

یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سابق مرکزی وزیر ارجن سنگھ نے کانگریس چھوڑنے سے قبل بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ داری بالواسطہ طور پر کانگریس حکومت پر عائد کرنے کی کوشش کی تھی اور اس مسئلے پر مسلمانوں سے معافی مانگ لینے کی کانگریس پارٹی سے اپیل کی تھی۔ پارٹی چھوڑنے کے بعد بھی انہوں نے اس کو کئی بار دوہرایا تھا۔ لیکن ان کی اس اپیل کو کانگریس قیادت اور کانگریسی لیڈروں نے یکسر رد کردیا تھا اور بابری مسجد کی شہادت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ بات آئی گئی ہوگئی لیکن مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلی اور ایک زمانے میں وزارت عظمی کے دعویدار شرد پوار نے گذشتہ دنوں رامپور میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں مسلمانوں سے معافی مانگ کر اس معاملے کو ایک بار پھر زندہ کردیا ہے۔ ابھی کچھ دنوں قبل سورج کنڈ میں کانگریس کے تربیتی اجلاس میں مرکزی وزیر بوٹا سنگھ نے بھی اس معاملے کو اٹھایا تھا اور کہا تھا کہ بابری مسجد کے معاملے میں ہم لوگوں سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ انہوں نے بالواسطہ طور پر شلانیاس کی جانب بھی اشارہ کیا اور بابری مسجد کے پورے معاملے میں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے کی بات کہی۔ واضح رہے کہ شلانیاس کے وقت بوٹا سنگھ مرکزی وزیر داخلہ اور راجیو گاندھی وزیر اعظم تھے۔ یہ عام خیال ہے کہ بابری مسجد کی تباہی کی سازش میں دانستہ یا نادانستہ طور پر بوٹا سنگھ بھی شریک رہے ہیں لیکن انہوں نے اس سے قبل کبھی بھی ایسا موقف اختیار نہیں کیا تھا۔

شرد پوار کے معافی مانگنے سے کئی سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کی ذمہ دار کانگریس بھی ہے۔ مسلمان تو پہلے سے ہی یہ کہتے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کانگریس کو راندہ درگاہ کردیا ہے۔ لیکن اب ڈھکے چھپے انداز میں کانگریسی بھی اس بات کا اعتراف اور اظہار کرنے لگے ہیں۔ ارجن سنگھ، بوٹا سنگھ اور شرد پوار کے موقف نے کانگریس کو بے نقاب کردیا ہے۔

> مسلمان کسی بھی قیمت پر کانگریس کو ووٹ دینے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ وہ بابری مسجد کے قاتلوں سے ایک ایک قطرہ خوں کا حساب اور ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ وہ بابری مسجد کی تباہی اور اپنی مظلومیت کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ وہ متحد نہ ہوں کیا وہ ان کا محاسبہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ اب تک یہ لوگ اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے کیوں کتراتے رہے ہیں اور کانگریس قیادت اب بھی اس کی ذمہ داری لینے سے کیوں بھاگ رہی ہے؟ یہ سوال بھی ہے کہ کیا شرد پوار نے یہ اقدام وزیر اعظم نرسمہاراؤ کی منشا پر اٹھایا ہے یا ارجن سنگھ کی مانند وہ بھی راؤ کو بابری مسجد کے دلدل میں پھنسا کر محض اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پوار کے اس اقدام کے پیچھے راؤ کا ہاتھ ہے کیونکہ رامپور جانے سے قبل انہوں نے راؤ سے ملاقات کی تھی۔ جبکہ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ ان دونوں میں اس مسئلے پر شاید کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور پوار نے اپنے طور پر ایک منظم حکمت عملی کے تحت یہ قدم اٹھایا ہے۔

بابری مسجد اور مگرمچھی آنسو

شرد پوار سے قبل جعفر شریف نے بھی بابری مسجد اور گیان واپی مسجد و متھرا کی عیدگاہ کے مسئلے پر اپنی ناراضگی جتائی تھی۔ ابھی چند دن قبل گیان واپی مسجد کے معاملے پر قومی یکجہتی کونسل کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں جعفر شریف نے بابری مسجد کی تباہی کا ذمہ دار حکومت کو قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ کے معاملے پر بھی حکومت کچھ نہیں کررہی ہے۔ بابری مسجد کی وجہ سے مسلمان کانگریس سے دور ہوگئے ہیں۔ اس پر ایس بی چوان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا کہ وہ یہ نہ فراموش کریں کہ حکومت کی مشینری کے ایک فرد وہ بھی ہیں لہذا ان پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

جہاں تک جعفر شریف کا معاملہ ہے تو انہیں اس مسئلے پر بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مرکزی وزیر ہونے کے ناطے وہ بھی اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ صرف مگرمچھی آنسو بہانے اور استعفی دینے کی دھمکی سے وہ بابری مسجد اور

باقی صفحہ پر

شرد پوار کے معافی مانگنے پر بمبئی کے مسلمان کیا کہتے ہیں

بابری مسجد کی شہادت کے وقت شرد پوار مرکزی وزیر دفاع اور بعد میں بمبئی میں پھوٹ پڑنے والے مسلم کش فسادات میں وہ مہاراشٹر کے وزیر اعلی تھے۔ مہاراشٹر کے مسلمانوں نے اسمبلی انتخابات میں ان سے انتقام لے لیا ہے اور اب پارلیمانی انتخاب میں ایک بار پھر انتقام لینا چاہتے ہیں۔ شرد پوار کے معافی مانگنے پر بمبئی کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے بہت تاخیر سے یہ قدم اٹھایا ہے اور پھر معافی مانگنے کی نہیں بلکہ عملی اقدام کی ضرورت ہے۔

علماء کونسل کے سکریٹری مولانا عبدالقدوس کشمیری کا کہنا ہے کہ مسلمان چاہتے ہیں کہ نرسمہاراؤ اس مقام پر دوبارہ بابری مسجد کی تعمیر کی وعدہ خلافی پر ان سے معافی مانگیں۔ اور اس کے ساتھ ہی بابری مسجد انہدام کے بعد شہید کی جانے والی دیگر مساجد کی بھی تعمیر کروائیں اور فسادات میں مسلمانوں کو ان کی تباہی و بربادی کا معاوضہ دیں۔

مسلم لیگ کے لیڈر جی۔ ایم بنات والا کے مطابق پوار کا اسٹینڈ ان کا اپنا ذاتی موقف ہے نہ کہ پارٹی یا حکومت کا۔ کوئی اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرسکتا کہ انتخابات کو ذہن میں رکھ کر ہی معافی مانگی جارہی ہے۔ اردو روزنامہ ہندوستان کے ایڈیٹر

سرفراز آرزو کا کہنا ہے کہ بابری مسجد انہدام کے وقت پوار وزیر دفاع تھے۔ لیکن انہوں نے شیو مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ ان کے دور حکومت میں کثیر تعداد میں مسلمانوں کو ٹاڈا کے سینکوں کے ذریعے نشانہ بنائے جانے والے تحت بند کیا گیا۔ اگر مسلمان پوار کی معافی کو تسلیم نہ کریں تو یہ ان کی غلطی نہیں ہوگی۔ ایک تاجر سلطان احمد کا کہنا ہے کہ جب پوار وزیر اعلی تھے تو شیو سینا اور اس کے لیڈر بال ٹھاکرے نے مسلمانوں کے خلاف بے شمار اشتعال انگیز بیانات دئے تھے لیکن عوام کے بار بار مطالبے کے باوجود پوار نے ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ متحدہ معاشی فورم کے کنوینر کے۔ ایم عارف کا کہنا ہے کہ پوار نے بہت تاخیر سے معافی مانگی ہے۔

کانگریسی مسلم لیڈر بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان کانگریس سے دور ہوگیا ہے۔ بمبئی ریجنل کانگریس کمیٹی اقلیتی سیل کے چیئرمین مصباح عالم کے مطابق جب ارجن سنگھ نے مسلمانوں سے معافی مانگنے کی بات اٹھائی تھی تو پرنب مکھرجی نے اس کی مخالفت کی تھی۔ پوار حکومت میں وزیر رہے اور اقلیتی سیل کے صدر جاوید خان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے پارٹی کو خصوصی اقدامات کرنے ہوں گے۔

کراچی پھر موت کے سوداگروں کی شکارگاہ بن گیا

بے نظیر حکومت۔ فوج اور ایم کیو ایم کے لئے کراچی کی بازی بہت سخت ہوگئی ہے

گذشتہ ہفتے کراچی میں ستر افراد کی جانیں تشدد کی نذر ہوگئیں۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جب آٹھ دس آدمی مسلح دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بنتے ہوں۔ کراچی کیا ہے موت کے سوداگروں کی شکارگاہ ہے اور یہاں کے معروف رسالے کی ایڈیٹر رضیہ بھٹی کے مطابق انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے اور لوگ اتنے سراسیمہ اور مایوس ہیں کہ کسی کو یقین نہیں ہے کہ کشت و خون کا سلسلہ کبھی ختم ہوگا۔

جولائی کے وسط میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی طرف سے مہاجر قومی موومنٹ کے سربراہ سے امن گفتگو کی ابتداء کے ساتھ حالات میں بہتری کی کچھ امید بندھی تھی۔ اس اقدام کا سبب یہ ہے کہ حال ہی میں بعض تجربہ کار ذمہ داران نے مسز بھٹو کو سمجھایا کہ حالات پر قابو پانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ لہذا انہوں نے مہاجر قومی موومنٹ سے اسلام آباد میں گفت و شنید کا آغاز کردیا۔ انہوں نے پہلی بار ایک انٹرویو میں اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر اس بات چیت کے نتیجے میں دیرپا امن کے قیام کے امکانات پیدا ہوئے تو حکومت ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین پر لگائے گئے دہشت گردی کے الزامات پر نظرثانی کر سکتی ہے۔ الطاف حسین اس وقت لندن میں خود جلاوطنی کی حالت میں ایم کیو ایم کی سربراہی کررہے ہیں۔

بے نظیر حکومت، طاقت ور فوج اور خود ایم کیو ایم کے لئے بھی یہ بازی سخت ثابت ہورہی ہے۔ بے نظیر کو 1990ء میں برطرف کیا گیا تھا اور اگر اقتدار پر انہیں اپنی گرفت مضبوط رکھنی ہے تو انہیں کراچی کے حالات پر قابو پانا پڑے گا۔ دوسری طرف فوج جسے کراچی میں امن و امان بحال کرنے کا پہلے بھی تلخ تجربہ ہوچکا ہے بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھارہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ خود پارٹی کے اندر سے الطاف حسین پر بہت دباؤ پڑ رہا ہے کہ وہ بات چیت کی ناکامی کی صورت میں کراچی کو الگ کرلینے کی مہم تیز کردیں۔ غرضیکہ کراچی میں پھیلی ہوئی ابتری ہر اعتبار سے باعث تشویش ہے۔
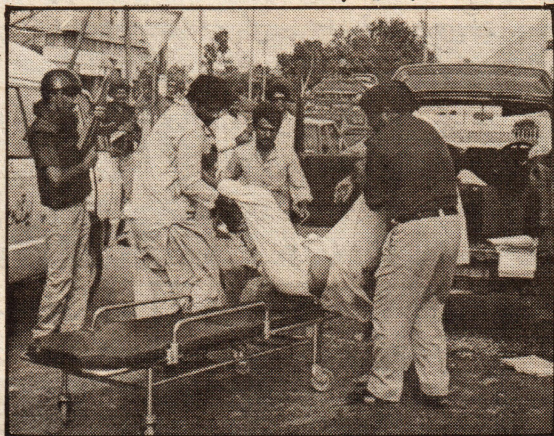
کراچی میں نسلی تصادم کا شعلہ 1980ء کی دہائی میں وقتاً فوقتاً بھڑکتا رہا ہے۔ 1992ء میں کراچی میں بحالی امن میں ناکام فوج شہر کو جلتا ہوا چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ یہاں کی سب سے بڑی غریب طبقے کی آبادی والا علاقہ میدان جنگ میں تبدیل ہوچکا ہے جہاں رائفل سے لے کر راکٹ لانچرز کا آزادانہ استعمال ہورہا ہے۔ ایسے میں منشیات کے اسمگلروں اور امن دشمن عناصر کی بن آئی ہے۔ گذشتہ سال مرنے والوں کی تعداد دو ہزار تھی اور مارچ سے اب تک اس میں ایک ہزار کا مزید اضافہ ہوچکا ہے۔

بے نظیر کا اصرار ہے کہ ان کی حکومت اور قوم کی کارکردگی کا اندازہ ایک شہر کے حالات سے نہ لگایا جائے اور وہ یہ دلیل پیش کرتی ہیں کہ وہ کراچی کی پہلی ایسی حاکم ہیں جس نے پالنے سے لے کر تخت حکومت تک کراچی کو پوری طرح برتا ہے اس لئے اس کی سرشت کو ان سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اگر محترمہ بے نظیر بھٹو اس تجارتی مرکز کے حالات کو معمول پر لانے میں کامیاب ہو بھی جائیں تو بھی مختلف قسم کے گروہی اور مذہبی اختلافات اور کشیدگیوں کو ختم کرنے کے لئے انہیں بڑی جانفشانی کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ افغانستان کی جنگ کے نتیجہ میں ہر طرح کے خود کار ہتھیاروں سے آراستہ پناہ گزینوں کی ملک میں آمد نے عالمی دہشت گردوں کے لئے جنت کا سامان کردیا اس پر مستزاد ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے جس میں 65 فیصد افراد ناخواندہ ہیں۔ یہ سارے عوامل تیز رفتار اقتصادی ترقی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ کراچی کی ابتری انہی استحکام شکن عوامل کا مجموعی نتیجہ ہے۔ شہر میں اسلحوں کا انبار ہے ان میں سے زیادہ تر ایم کیو ایم اور اس کے حریف گروہوں، جنگجو جتھوں اور لٹیروں کے پاس ہیں۔ ہڑتالوں نے کراچی کو درپیش مسائل میں ایک اور پریشانی کا اضافہ کردیا ہے۔ امن گفتگو کی شروعات کے ایک ہفتہ قبل الطاف حسین نے لندن سے بذریعہ ٹیلی فون حکم دیا کہ حکومت پاکستان کی ایم کیو ایم مخالف سرگرمیوں کے خلاف پہیہ جام کردیا جائے حالانکہ اس سے نقصان سب سے زیادہ مہاجروں کا ہی ہوا۔ اس سال کراچی کی مجموعی صنعتی پیداوار ساٹھ سے کم ہو کر چالیس فیصد رہ گئی ہے اور عالمی بینک کے ایک ذمہ دار کے مطابق بڑھتے ہوئے تشدد اور مزدوروں کی قلت کے باعث بینک نے اپنے کاروبار کو کافی کم کردیا ہے۔ ان وجوہ سے حکومت پر ایم کیو ایم سے مصالحت کا دباؤ پڑ رہا ہے۔

ایم کیو ایم کے مطالبات میں وفاقی اور صوبائی ملازمتوں میں مہاجروں کے کوٹہ کا تعین، پارٹی کے سیاسی حقوق کے احترام کی یقین دہانی وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم بعض متنازعہ مطالبات بھی ہیں مثلاً ایم کیو ایم کے کارکنوں کے خلاف فوجداری کے مقدمات کی واپسی، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور گذشتہ دو سالوں میں مارے جانے والے مہاجروں کو معاوضہ کی ادائیگی۔ ایک ہفتہ کی گفتگو کے بعد ایک مشترکہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جس میں جانبین نے دہشت گردانہ سرگرمیوں کی مذمت

بقیہ۔ صفحہ ۲ پر

یوروپی یونین میں شمولیت کی خاطر ترکی میں دستوری ترمیم

23 جولائی 1995ء کو ترکی نے اپنے دستور میں ترمیم کرکے شہری حقوق پر عائد بعض پابندیوں کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ شہری حقوق پر یہ پابندیاں 1982ء میں فوجی قیادت کے ذریعے دستور میں شامل کی گئی تھیں۔ اس دستوری ترمیم کے بارے میں ترکی کی وزیر اعظم تانزو چیلر کا کہنا ہے کہ پہلی بار ایسا ہورہا ہے کہ دستور میں ترمیم فوج کے دباؤ کے بغیر کی جارہی ہے۔ اس سے قبل تین بار ترکی کے دستور میں ترمیمات فوجی انقلابات کے بعد کی گئی تھیں۔

حالیہ دستوری اصلاح کے نتیجہ میں دستور میں 15 ترمیمات شامل کی گئی ہیں۔ ان اصلاحات میں دستور سے 1980ء کے فوجی انقلاب کا تذکرہ نکال دیا گیا ہے۔ ٹریڈ یونینوں کو سیاست میں حصہ لینے اور سیاسی پارٹیوں سے تعلق قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ سول افسران کو ٹریڈ یونین میں شامل ہونے کی اجازت تو ہوگی مگر انہیں اسٹرائک کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح اب یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی سیاسی جماعتوں کی رکنیت حاصل کرسکتے ہیں۔ مزید برآں مقامی افسران اور اداروں کو زیادہ خود مختاری دی جائے گی۔ ووٹ ڈالنے کی عمر 21 سے گھٹا کر 18 سال کردی گئی ہے۔ نیز پارلیامنٹ کی موجودہ سیٹوں میں 100 کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

ترکی کا کہنا ہے کہ ان اصلاحات کا مقصد عوام کے جمہوری حقوق میں اضافہ کرنا اور مرکز کے بعض اختیارات کو مقامی اداروں کے حوالے کرنا ہے۔ لیکن اصل مقصد اس امید کو قائم رکھنا ہے کہ بالآخر ایک دن یوروپی یونین ترکی کو اپنی رکنیت دے دے گی۔ جلد ہی یوروپی پارلیامنٹ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یوروپی کسٹم یونین کی ترکی کی رکنیت کو قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے جس کے بارے میں ماہرین پہلے ہی ایک دستاویز تیار کرچکے ہیں۔ اگر یوروپی پارلیامنٹ اس مسودے کو پاس کردیتی ہے تو ترکی 1996ء میں یوروپی کسٹم یونین کا باقاعدہ ممبر بن جائے گا۔ یوروپی پارلیامنٹ کے بعض بااثر ممبران کا کہنا تھا کہ ترکی کو کسٹم یونین کی رکنیت اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ اپنے یہاں حقوق انسانی کا ریکارڈ مزید بہتر بنائے۔ حالیہ دستوری اصلاحات دراصل اسی یوروپی دباؤ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔

ترکی کی دستوری اصلاحات کی اسلام پسند رفاہ پارٹی نے حمایت نہیں کی ہے۔ اس عدم تائید کی وجہ یہ نہیں ہے کہ رفاہ پارٹی ان اصلاحات کی مخالف ہے بلکہ وہ ان اصلاحات کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کر رہی تھی کہ دستور سے اس شق کو بھی نکال دیا جائے جو ملک کو ایک سیکولر ریاست قرار دیتی ہے۔ ترکی حکومت نے رفاہ پارٹی کے اس مطالبے کو مسترد کردیا ہے۔ اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے رفاہ نے دوسری اصلاحات کی تائید سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ رفاہ کا کہنا ہے کہ اگر ترکی کو اسلامی ریاست بنانے کا مطالبہ رد کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کے نزدیک بقیہ نام نہاد اصلاحات کوئی خاص معنی نہیں رکھتیں۔

> ٹریڈ یونینوں کو سیاست میں حصہ لینے اور سیاسی پارٹیوں سے تعلق قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ سول افسران کو ٹریڈ یونین میں شامل ہونے کی اجازت تو ہوگی مگر انہیں اسٹرائک کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح اب یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی سیاسی جماعتوں کی رکنیت حاصل کرسکتے ہیں۔

کیا ان اصلاحات کے بعد یوروپی پارلیامنٹ کے ممبران مطمئن ہوجائیں گے؟ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ کم از کم اب ان کی مخالفت میں شدت نہ ہوگی لیکن وہ ترکی سے حقوق انسانی کے ریکارڈ کو درست کرنے کا مطالبہ اب بھی کریں گے۔ خاص طور سے یوروپ چاہتا ہے کہ ترکی کردوں کے حقوق بحال کرنے کے معاملے میں لازماً بعض ضروری اقدامات کرے۔ گذشتہ دسمبر میں 6 کرد ممبران پارلیامنٹ کو بغاوت کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا تھا۔ یوروپی پارلیامنٹ اب یہ مطالبہ کرے گی کہ 1991ء کے دہشت گردی مخالف قانون میں ترمیم کرکے ان کرد ممبران پارلیامنٹ کو جلد از جلد رہا کیا جائے۔

ترکی حکومت کے لئے ان کرد ممبروں کو عام معافی دینا ذرا مشکل ہوگا۔ ان کی اپیلیں اکتوبر میں کورٹ میں زیر غور آئیں گی۔ ممکن ہے کورٹ ان پر لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد قرار دے دے۔ خود سرکاری وکیل کا مطالبہ ہے کہ ان کرد ممبروں کی سزا کی میعاد میں کمی کردی جائے جس سے کم از کم 2 ممبران آزاد ہوجائیں گے۔ سرکاری وکیل کے اس بیان سے اشارہ ملتا ہے کہ شاید حکومت جلد ہی ان کرد ممبران پارلیامنٹ کو رہا کردے۔

دراصل دستور کی شق نمبر 8 سب سے زیادہ متنازعہ ہے۔ اس قانون کے مطابق ترکی کی فوجی عدالتوں کو علیحدگی پسندانہ خیالات کو جرم سمجھ کر سزا دینے کا اختیار حاصل ہے۔ یوروپی لیڈر اس قانون کو کالعدم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ تانزو چیلر پہلے بھی اس قانون کو ختم کرنے کی سعی کرچکی ہیں لیکن تب انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ تانزو چیلر ایک بار ترکی کی پارلیامنٹ سے پھر درخواست کرنے والی ہیں کہ اس کالے قانون کو کالعدم قرار دے دے۔ ممکن ہے اس بار پارلیامنٹ ان کی بات مان لے اور دستور سے شق نمبر 8 کو خارج کردے۔ کسی بھی دستوری ترمیم کے لئے ترکی میں دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن دستور کی شق نمبر 8 کو ختم کرنے کے لئے صرف معمول کی اکثریت کی ضرورت ہوگی۔ اس سے امید بندھتی ہے کہ شاید اس بار پارلیامنٹ اس کالے قانون کو ختم کردے۔

ملائم سنگھ یادو اور سونیا گاندھی میں اتحاد؟

امیتابھ بچن کی کوششوں سے ہونے والا یہ اتحاد ملک کی سیاسی فضا میں نئی ہلچل پیدا کردیگا

ملائم سنگھ یادو اور امیتابھ بچن کی ملاقات نے سیاسی حلقوں میں ایک نئی ہلچل پیدا کردی ہے۔ یہ ملاقات اس وجہ سے بھی اور معنی خیز ہوگئی ہے کہ اطلاعات کے مطابق دونوں نے بعد میں سونیا گاندھی سے بھی طویل گفتگو کی۔ حالانکہ سونیا کے سکریٹری وی جارج اس سے انکار کرتے ہیں لیکن سیاسی معاملات پر گہری نظر رکھنے والے ان کی تردید سے مطمئن نہیں ہیں۔ گذشتہ کچھ دنوں سے اس قسم کی خبروں کی اشاعت کے بعد کہ راہول گاندھی اور پرینکا گاندھی میں سے کوئی ایک راجیو گاندھی کے حلقہ امیٹھی سے الیکشن لڑسکتا ہے، اس ملاقات کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس نئی صورت حال سے کانگریس میں بھی لوگ چوکنا ہوگئے ہیں اور تیواری کانگریس کے بھی کان کھڑے ہوگئے ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ امیتابھ بچن کے گاندھی خاندان سے گھریلو رشتے ہیں اور اس رشتے کی بنا پر ہی ایک بار امیتابھ کو الیکشن لڑوا کر پارلیمنٹ میں بھجوایا گیا تھا۔ ادھر دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد ملائم سنگھ اور امیتابھ میں بھی قربت پیدا ہوئی ہے۔ ملائم سنگھ نے امیتابھ کے والد ہربنش رائے بچن اور امیتابھ و جیا بہادری کو ایوارڈ دے کر اس قربت کو مزید پختہ کردیا تھا۔ اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ سونیا گاندھی اور ملائم سنگھ کے درمیان امیتابھ بچن نے ایک پل کا کام کیا ہے۔

گذشتہ دنوں دلی میں سماجوادی پارٹی کے ایک ایم پی کے فلیٹ میں ملائم سنگھ اور امیتابھ بچن کی ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں تنہا کسی خفیہ مقام پر مزید گفتگو کے لئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ملائم سنگھ نے اپنے باڈی گارڈ کو بھی ساتھ نہیں لیا۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ ... منا سے ملنے دس جن پتھ گئے ہوں گے۔ سونیا گاندھی

> ابھی یہ سارا کھیل پردہ راز میں ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی گروپ اسے واشگاف کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن جنرل الیکشن جوں جوں قریب آتا جائے گا یہ نیا اتحاد عملی شکل وصورت اختیار کرتا ہوا نظر آئے گا۔

ملائم سنگھ کی ملاقات یوپی کے حالیہ سیاسی حالات کے پیش نظر انتہائی اہم سمجھی جارہی ہے۔ امیٹھی پارلیمانی حلقہ گرچہ راجیو گاندھی کا حلقہ ہے اور وہاں اب بھی عوام کے دل راجیو گاندھی کے نام پر دھڑکنے لگتے ہیں۔ لیکن بی جے پی نے بھی وہاں اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا ہے۔ اور بیشتر اسمبلی نشستوں پر اس کا قبضہ ہے۔ وہاں راہول یا پرینکا کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ بی جے پی کو شکست دی جائے اور بی جے پی مخالف ووٹوں کو منتشر ہونے سے بچایا جائے۔ اس مقصد کی حصولیابی کے لئے ضروری ہے کہ سماجوادی پارٹی کا بھی اعتماد حاصل کیا جائے۔

گذشتہ دنوں راجیو گاندھی کے ایک قریبی ساتھی مرکزی وزیر اور امیٹھی کے ممبر پارلیمنٹ ستیش شرما نے علی الاعلان یہ بیان دیا تھا کہ اگر راہول یا پرینکا میں سے کوئی الیکشن لڑنا چاہے تو وہ اپنی سیٹ خالی کرسکتے ہیں۔ امیٹھی میں فضا سازگار کرنے کے لئے راجیو حامیوں نے اس مہینے کے ... میں ایک بڑی ریلی کے انعقاد کا پلان بنایا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اسی موقع پر راہول اور پرینکا میں سے کسی ایک کو عوامی فیلڈ میں اتارا جائے گا۔ امیٹھی میں 20 اگست کو راجیو گاندھی کے یوم پیدائش کے موقع پر ایک میڈیکل کیمپ کا بھی انعقاد کیا جارہا ہے۔ سونیا گاندھی 24 اگست کو اس کیمپ کا دورہ کریں گی اور عوامی جلسے سے خطاب بھی کریں گی۔

سونیا گاندھی اور ملائم سنگھ دونوں کی طرف سے اس ملاقات اور کسی بھی ممکنہ اتحاد کو فی الحال خفیہ رکھا جارہا ہے۔ کیونکہ ابھی اس کا بھی اندازہ لگانا ہے کہ اگر ایسا کوئی اتحاد ہوجاتا ہے تو کانگریس کے ناراض گروپ بالخصوص ارجن تیواری گروپ میں اس پر کیا رد عمل ہوگا۔ لیکن سونیا گاندھی کے حلقے کے مطابق ملائم سنگھ سے ان کا انتخابی اتحاد ان کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہوگا۔ ادھر سماجوادی پارٹی کے ذرائع کے مطابق ملائم سنگھ بھی سونیا سے اتحاد کرنے کے خواہاں ہیں۔ کیونکہ ایک تو ان پر ان کی سابقہ حکومت کو راجیو کی حمایت کا قرض ہے اور دوسرے سونیا کی حمایت کرکے وہ نرسمہا راؤ سے بالواسطہ انتقام لے سکتے ہیں۔ کیونکہ ملائم سنگھ کی حالیہ حکومت کو گرانے میں انہوں نے بھی اہم رول ادا کیا تھا۔ اس اتحاد سے ارجن سنگھ اور ملائم سنگھ میں قربت بڑھنے کا بھی امکان ہے۔ حالانکہ تیواری کی وجہ سے بدمزگی پیدا ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ ملائم سنگھ نے نیشنل فرنٹ میں آنے سے انکار کردیا ہے اور ادھر ارجن سنگھ نے سونیا کیمپ کو نیشنل فرنٹ پر ترجیح دینے کی بات کہی ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ اتحاد عملی شکل اختیار کرتا نظر آتا ہے۔

بہرحال ابھی یہ سارا کھیل پردہ راز میں ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی گروپ اسے واشگاف کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن جنرل الیکشن جوں جوں قریب آتا جائے گا یہ نیا اتحاد عملی شکل و صورت اختیار کرتا ہوا نظر آئے گا۔ دیکھنا ہے کہ یہ متوقع اتحاد یوپی کی سیاست پر کیا اثرات مرتب کرے گا۔

بی جے پی کی حمایت کانشی رام کے لئے سانپ کے منھ کی چھچھوندر

بی جے پی کانشی رام کے ہاتھ سے مایاوتی کا سیاسی اغوا کرلینا چاہتی ہے

بی ایس پی حکومت کو بی جے پی کی حمایت کانشی رام کے لئے سانپ کے منھ کی چھچھوندر بنتی جارہی ہے۔ جو نہ تو اگلتے بن رہی ہے اور نہ ہی نگلتے۔ عام انتخابات قریب ہیں اور وقت بہت کم ہے۔ اس قلیل مدت سے بی جے پی اور بی ایس پی دونوں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالینا چاہتی ہیں۔ بی ایس پی سرکاری مشینری کا استعمال کرکے اپنی عوامی بنیاد مستحکم کرنا چاہتی ہے تو بی جے پی بی ایس پی حکومت کو دی جانے والی حمایت کی قیمت سود در سود وصول کرلینا چاہتی ہے۔ اس کشمکش میں رسہ کشی کی نوبت آگئی ہے۔ دونوں بظاہر اپنے حالیہ رفیق مگر بہ باطن اپنے مدمقابل پر فتح حاصل کرلینا چاہتی ہیں۔ جس کی بنا پر یوپی کے سیاسی حالات نے عجیب وغریب رخ اختیار کرلیا ہے۔ وزیر اعلی مایاوتی خوش ہیں کہ ان کا بھی نام وزراء اعلی کی فہرست میں درج ہوگیا ہے جبکہ کانشی رام یہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہے ہیں کہ کہیں انہیں اس حمایت کی اتنی زیادہ قیمت نہ ادا کردینی پڑے کہ جو ان کا سیاسی وجود برداشت نہ کرسکے اور ان کے لئے سیاسی بقا کا سوال کھڑا ہوجائے۔ اسی لئے کانشی رام کے اقدامات سے بے شمار سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔ انہیں ڈاکٹروں نے طویل آرام کا مشورہ دیا ہے لیکن وہ لکھنؤ میں ڈیرہ ڈالے رہتے ہیں اور کالی داس مارگ پر واقع اپنے دفتر سے حکومت کی گاڑی کو کنٹرول کررہے ہیں۔ آج تمام پارٹیوں بالخصوص بی جے پی اور بی ایس پی کے ورکر یہ سوال کررہے ہیں کہ یوپی کا اصل وزیر اعلی کون ہے؟ مایاوتی، کلیان سنگھ یا کانشی رام؟

ادھر بی جے پی کانشی رام کے ہاتھوں سے مایاوتی کا سیاسی اغوا کرلینا چاہتی ہے۔ گذشتہ دنوں دہلی میں دلی، مہاراشٹر اور یوپی کے وزراء اعلی کو بی جے پی کی جانب سے ایک استقبالیہ دیا گیا تھا جس میں جان بوجھ کر مایاوتی کو آسمان پر پہنچانے اور کانشی رام کو پاتال میں گرانے کی کوشش کی گئی۔ کانشی رام کو یکسر نظرانداز کردیا گیا اور مایاوتی کو واجپئی اور مدن لال کھورانہ کے درمیان جگہ دی گئی۔ بہت دیر کے بعد واجپئی نے انتظامیہ کو توجہ دلائی کہ ارے کانشی رام تو سامعین کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر انہیں اسٹیج پر بلایا گیا۔ وہ جھجکتے ہوئے اوپر آئے لیکن ان کے نام کی کرسی وہاں تھی ہی نہیں دو خالی کرسیاں تھیں جن پر دوسرے دو لوگوں کے ناموں کی چٹ لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر پہلے کانشی رام جھجکے اور پھر پچھلی صف میں ایک کرسی پر جاکر بیٹھ گئے۔ پروگرام کے دوران وزراء اعلی کو مہادیو اور کرشن ارجن رتھ کی شبیہہ تفویض کی گئی لیکن کانشی رام کو پوری طرح نظرانداز کیا گیا۔ دریں اثنا فوری طور پر انہیں بھی شبیہہ دینے کا فیصلہ کیا گیا اور ارجن کرشن رتھ کی ایک شبیہہ انہیں بھی دی گئی۔ ابھی کانشی رام کی تذلیل کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ آخری مقرر واجپئی تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ واجپئی کے بعد کانشی رام کو ممکن ہے بولنے کے لئے مدعو کیا جائے۔ لیکن واجپئی نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کی کہ اس پروگرام کی یہ آخری تقریر ہے اور اب پروگرام ختم کیا جارہا ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ راجستھان کے وزیر اعلی نے جو اس موقع پر پہنچنے سے قاصر رہے ایک دعوت نامہ مایاوتی کے نام ارسال کیا تھا۔ جس میں ان سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ راجستھان میں دلتوں کی ترقی کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کا جائزہ لینے کے لئے وہاں آئیں اور دیکھیں کہ بی جے پی حکومت کس طرح دلتوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کررہی ہے۔

اس استقبالیہ پروگرام کے بعد کانشی رام خاصے چوکنے ہوگئے ہیں۔ بی جے پی کی طرف سے کانشی رام کے دلت پریم کے ایشو کو چھیننے کی کوشش نے بھی کانشی رام کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔ بی جے پی یہ پروپیگنڈہ کرکے کہ وہ ملک گیر سطح پر دلتوں کی فلاح و بہبود کے لئے پروگرام چلارہی ہے، کانشی رام کی دلت طاقت کو کمزور کرنے کی منظم حکمت عملی پر عمل کررہی ہے۔ اس کا نتیجہ اس شکل میں سامنے آرہا ہے کہ کانشی رام کا دلت طبقہ سکڑتا جارہا ہے اور سروں کی گنتی میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ بی ایس پی ذرائع کے مطابق ہم نے ملائم حکومت سے حمایت اسی لئے واپس لی تھی کہ وہ ہماری عوامی بنیاد کمزور کررہے تھے۔ اب اگر بی جے پی بھی یہی کام کرے گی تو ہمارے لئے اس کی حمایت حاصل کرنا بیوقوفی سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔

دوسری طرف بی جے پی کے لیڈروں اور ممبران اسمبلی کو یہ شکایت ہے کہ وہ وزیر اعلی سے مل نہیں پاتے اور اپنے حلقے کے تعلق سے ان سے کوئی گفتگو نہیں کرپاتے۔ کانشی رام نے ان لوگوں کو وزیر اعلی سے ملنے سے منع کردیا ہے۔ یہ شکایات واجپئی کے ذریعے جینت ملہوترہ تک پہنچا دی گئی ہیں۔ بہرحال ابھی ایسا نہیں لگتا کہ مشترکہ حکومت کی یہ گاڑی بیچ چوراہے پر کھڑی ہوجائے گی۔

کیا یاسر عرفات ایک افسردہ انسان ہیں اور ان پر بڑھاپا طاری ہو رہا ہے

عرفات کی ایک سالہ حکمرانی کا جائزہ

تیس سال کے طویل عرصے تک انقلابی جدوجہد اور اس سے متعلقہ مسائل یاسر عرفات کو تھکانے میں ناکام رہے تھے۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ غازہ پٹی میں "حکمرانی" کے ایک سال نے انہیں تھکا دیا ہے۔ عرفات کے اپنے ہی ایک قریبی رفیق کار کے مطابق "وہ آج ایک انتہائی افسردہ انسان ہیں۔ وہ بیمارگی کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں۔ پہلے کی بہ نسبت بہت جلد غصہ میں آجاتے ہیں۔ بڑی تیزی سے ان پر بڑھاپا طاری ہوتا جارہا ہے"۔

مذکورہ تبصرہ ممکن ہے بعض لوگوں کو حیرت انگیز لگے، خاص طور سے ایک ایسے وقت جب بہت جلد عرفات کی "محدود خود اختیاری" کا دائرہ بڑھ کر مغربی کنارے کو بھی اپنی حدود میں لینے والا ہے۔ اگرچہ یکم اور 25 جولائی کی طے کردہ تاریخیں کبھی کی گزر چکیں لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ بہت جلد مغربی کنارہ بھی عرفات کی عملداری میں آجائے گا۔ ظاہر ہے "امن" کے بڑھتے قدم یاسر عرفات کو خوش کرنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں لیکن اس کے برعکس وہ افسردہ، درماندہ اور تن بہ تقدیر نظر آتے ہیں۔ کچھ یہی حال فلسطینی قوم کا بھی ہے۔

عرفات اور فلسطینیوں کی مایوسی کی وجہ بہ آسانی تلاش کی جاسکتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی بھی عرفات کی ایک سالہ حکومت کی کارکردگی پر نظر ڈال لے۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں غازہ پٹی میں داخل ہوئے تھے تو بلاشبہ اہل فلسطین نے ان سے ضرورت سے زیادہ توقعات وابستہ کرلی تھیں جو ان حالات میں کچھ غیر فطری بھی نہ تھیں۔ ظاہر ہے آج ان توقعات میں سے بہت کم پوری ہوسکی ہیں۔ لیکن اہل غازہ کو آج جو چیز زیادہ غمگین بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی توقع کے برعکس عرفات انتظامیہ کے افراد نکمے اور کرپٹ ہیں۔ غازہ والوں کو خوشی تھی کہ بیس سالہ اسرائیلی قبضہ کے اختتام کے بعد وہ اپنے حکمرانوں کے زیر سایہ انصاف کی زندگی بسر کرسکیں گے۔ لیکن آج جس تلخ حقیقت کا انہیں سامنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر طرف غازہ میں بدانتظامی، کرپشن اور نااہلی کا دور دورہ ہے۔ جمہوریت کا پتہ نہیں اور من مانی اور شخصی حکمرانی کا دور دورہ ہے۔ اکثر فلسطینی کے ذہن میں آج ایک سوال ہے جسے خود عرفات کے ایک افسر نے یوں بیان کیا ہے۔ "ہم ایک جذباتی المیے سے دوچار ہیں۔

> جب وہ فاتحانہ انداز میں غازہ پٹی میں داخل ہوئے تھے تو بلاشبہ اہل فلسطین نے ان سے ضرورت سے زیادہ توقعات وابستہ کرلی تھیں جو ان حالات میں کچھ غیر فطری بھی نہ تھیں۔ ظاہر ہے آج ان توقعات میں سے بہت کم پوری ہوسکی ہیں۔ لیکن اہل غازہ کو آج جو چیز زیادہ غمگین بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی توقع کے برعکس عرفات انتظامیہ کے افراد نکمے اور کرپٹ ہیں۔

ہم میں سے کتنے ہی جیل گئے، کتنے ہی دوست اسرائیل کے ساتھ جنگوں میں کام آگئے۔ ہم خود سے سوال کرتے ہیں کہ آج اگر ہم ایک شریفانہ ریاست کی تعمیر نہیں کررہے ہیں تو پھر کس مقصد کے لئے ہم جیل گئے تھے؟"

ایسا لگتا ہے کہ انقلابی عرفات خود کو حکمراں بنانے میں ناکام ہوگئے ہیں۔ یہ کچھ تعجب خیز بھی نہیں ہے۔ دراصل انقلابی جدوجہد اور کسی ریاست کی روزمرہ دیکھ بھال یا حکمرانی دو مختلف چیزیں ہیں۔ کسی انقلابی کے لئے حکمراں ہونا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ پھر عرفات کے ساتھ دشواری یہ ہے کہ ایک طرف انہیں اپنے عوام کی توقعات پوری کرنی ہیں اور دوسری طرف اسرائیل کی امیدوں پر پورا اترنا ہے۔ دونوں کی توقعات میں زبردست اختلاف ہے اس لئے دونوں کو کما حقہ پورا نہیں کیا جاسکتا۔ عرفات کیا کوئی بھی حکمراں ناکام ہوسکتا ہے اگر اس کو دو قوموں کی متصادم توقعات کو پورا کرنے کا مشکل کام سونپ دیا جائے۔

لیکن بعض مشکلات عرفات کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ جس طرح پی ایل او کے چیئرمین کی حیثیت سے وہ خود ہی سارے فیصلے لیتے تھے ویسے ہی آج بھی فلسطینی خود مختار انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے وہ سارے اختیارات خود اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں۔ نتیجتاً فیصلہ لینے میں کافی تاخیر ہوتی ہے جس سے ناکارکردگی اور بدانتظامی پیدا ہوتی ہے۔

پی ایل او کی صدارت کے دور ہی سے عرفات ایک سیاستداں کو دوسرے کے خلاف استعمال کرنے اور کسی کو آگے نہ بڑھنے دینے میں مہارت رکھتے ہیں۔ آج بھی وہ اسی پالیسی پر گامزن ہیں۔ اکثر وہ ایک ہی نوعیت کے کاموں کے لئے دو شعبے کھول کر ان کے دو سربراہ مقرر کردیتے ہیں جو فطری طور پر شعبہ جاتی تصادم کو جنم دیتے ہیں۔ عرفات ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ باہم متصادم افسران ہمیشہ معاملات سلجھانے کے لئے ان کی طرف رجوع کریں۔ اس طرح وہ اپنی مرکزیت قائم رکھنے کے ساتھ کسی کو بھی آگے بڑھنے سے روک دیتے ہیں تاکہ وہ کبھی ان کی قیادت کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔

عرفات کی دشواریوں میں اسرائیل اور ان کے مغربی حلیف ممالک بھی گاہے بہ گاہے اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اسرائیل اکثر غازہ پٹی کی ناکہ بندی کردیتا ہے جس سے فلسطینی مزدور ہفتوں اسرائیل کے اندر اپنے کاموں پر نہیں جاپاتے۔ پھر ان مزدوروں کی تعداد میں کافی کمی کردی گئی ہے جس سے فلسطینی معیشت پر زبردست اثر پڑا ہے۔ عرفات کے مغربی حلیف بھی وعدہ کرنے کے باوجود انہیں پیسہ دینے میں کنجوسی سے کام لے رہے ہیں۔ اس میں کچھ عرفات کی بھی غلطی ہے۔ کیونکہ وہ ابھی تک ایک ایسی معاشی پالیسی بنانے میں ناکام رہے ہیں جو باہری سرمایہ کاروں کو فلسطین میں سرمایہ کاری کی ترغیب دے سکے۔

> سچائی دراصل یہی ہے۔ عرفات غازہ کے حکمراں اس لئے ہیں تاکہ وہ اسرائیل کی خواہش کے مطابق فلسطینیوں کو کنٹرول کریں۔ چنانچہ عرفات نے حماس اور اسلامی جہاد کے سیکڑوں کارکنوں کو جیلوں میں بند کردیا ہے جس سے اسرائیل کافی خوش ہے۔

عرفات انتظامیہ نے جو چند کام کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ وزارت تعلیم نے 250 نئے کلاس روم تعمیر کئے ہیں اور موجود اسکولوں میں سے نصف میں مزید بہتری لائی گئی ہے۔ فلسطینی ٹی وی اور ریڈیو کام کر رہے ہیں اور وزارت تعمیر نے بھی سرمایہ کاروں کی مدد سے چار ہزار نئے مکانات تعمیر کئے ہیں۔ اسی طرح کا اسپتال بھی قدرے بہتر بنادیا گیا ہے۔

لیکن بحیثیت مجموعی پچھلے ایک سال میں عرفات کی کارکردگی مایوس کن رہی ہے۔ صلح نامی ایک فلسطینی کا کہنا ہے کہ "عرفات بھی دوسرے عرب لیڈروں جیسے ہیں یعنی ایک آمرانہ ذہنیت کے حکمراں جو اپنے خاص مشیروں سے گھرے رہتے ہیں"۔ صلح کا مزید کہنا ہے کہ "ہمارے مستقبل کا فیصلہ اسرائیل اور امریکہ کے ہاتھ میں ہے جو ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم خاموش رہیں اور کسی قسم کا ہنگامہ کھڑا نہ کریں"۔ سچائی دراصل یہی ہے۔ عرفات غازہ کے حکمراں اس لئے ہیں تاکہ وہ اسرائیل کی خواہش کے مطابق فلسطینیوں کو کنٹرول کریں۔ چنانچہ عرفات نے حماس اور اسلامی جہاد کے سیکڑوں کارکنوں کو جیلوں میں بند کردیا ہے جس سے اسرائیل کافی خوش ہے۔ اسرائیل اور امریکہ عرفات سے بس یہی چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کریں یا کچھ بھی کریں اس سے انہیں غرض نہیں ہے۔ حماس کے اس الزام میں بڑی صداقت ہے کہ عرفات اسرائیل کا گندا کام کر رہے ہیں۔

بقیہ: ہم ایک ایک قطرہ خون کا حساب لیں گے

مسلمانوں کے مفادات کے چیمپئن نہیں بن سکتے۔ اگر انہیں بابری مسجد کی شہادت کا اتنا ہی دکھ تھا اور حکومت کو اس کا ذمہ دار تصور کرتے تھے تو حکومت سے الگ کیوں نہیں ہوگئے؟ لیکن اس بات سے قطع نظر جعفر شریف کا اسٹینڈ بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ کانگریسیوں کو اس مسئلے میں اپنی غلطی کا ڈھکے چھپے انداز میں اعتراف ہے۔

کفارہ ادا کرو

لیکن اسی کے ساتھ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا کانگریسی سیاستداں اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہاں تو اس کے لئے ان کے پاس کیا پروگرام ہے۔ کیا صرف اکا دکا لیڈروں کے معافی مانگ لینے سے ان کے دامن کا داغ اور ان کی پیشانی کا کلنک دھل جائے گا یا وہ محض مسلم ووٹوں کی حصولیابی کے لئے ڈرامہ بازی کر رہے ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ انہیں نہ تو مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی ہے اور نہ ہی بابری مسجد سے۔ اگر وہ مسلمانوں کا دل جیتنا چاہتے ہیں تو انہیں کفارہ کے طور پر بابری مسجد کی جگہ پر اس کی دوبارہ تعمیر کروانی ہوگی۔ اس صورت میں انہیں معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی اور مسلمانوں کے ووٹ کی حصولیابی کا امکان بھی بڑھ جائے گا۔

ویسے مسلمان کسی بھی قیمت پر کانگریس کو ووٹ دینے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ خواہ بی جے پی اور شیو سینا ہی کی جیت کیوں نہ ہوجائے۔ گویا مسلمان بابری مسجد کے قاتلوں سے ایک ایک قطرہ خون کا حساب لینا چاہتے ہیں۔ اپنی تباہی و بربادی کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بابری مسجد کے مجرموں سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ وہ متحد نہ ہوں، ان کی صفوں میں انتشار ہو اور وہ عدم اتحاد کے عذاب میں مبتلا ہوں، ایک پلیٹ فارم کے بجائے کئی پلیٹ فارموں پر بکھرے ہوں، کیا بابری مسجد کے قاتلوں کا محاسبہ کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے؟ انہیں ان کے کئے کی سزا دے سکیں گے اور بابری مسجد کی فریاد پر لبیک کہہ کر اپنا فرض ادا کرسکیں گے؟

بقیہ: کراچی موت کے سوداگروں کی شکار گاہ

کرتے ہوئے شہر میں بحالی امن کی کوششوں میں تعاون کا وعدہ کیا۔ ابھی ایم کیو ایم۔ بے نظیر گفتگو کی شروعات کو پانچ ہی دن ہوئے تھے کہ مسلح دہشت گردوں نے پولیس اسٹیشن پر گولیاں برسائیں اور انٹر سروس انٹلی جنس کے سابق چیف کو یہ دھمکی بھی دی کہ جو کوئی اس گفتگو سے نکلے گا ملک گیر تباہی کا ذمہ دار ہوگا، جس کا مطلب بعضوں کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اور بنگلہ دیش بن جائے گا۔ انہیں ڈر ہے کہ الطاف حسین کا مہاجرین کے لئے یکساں حقوق کا مطالبہ کراچی میں علیحدہ مہاجر صوبہ کا پیش خیمہ ہے۔ الطاف نے بھی ایشیا ویک کو انٹرویو میں کہا کہ وہ اس خود مختاری کے حق میں نہیں ہیں لیکن ان کے حامیوں کی طرف سے کراچی کے حدود دوبارہ طے کرنے پر زور پڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ بے نظیر ایسے کسی مطالبے کو خاطر میں نہیں لائیں گی کیونکہ ان کو کراچی کے بعد بلوچستان اور شمال مغربی سرحد کا بھی یہی حشر ہوتا ہوا نظر آرہا ہے

نسلی تعصبات اور تصادمات کا اس قدر ملک میں دور دورہ ہے کہ وہاں 1981ء سے اب تک مردم شماری نہیں ہوسکی۔ بلوچ، پٹھان، مہاجر اور سندھی یہ سارے لوگ اہمیت اور برتری کے دعوی کی بنیاد پر نمائندگی کا حق طلب کرتے ہیں۔ شیعہ سنی ٹکراؤ اپنی جگہ ایک الگ مصیبت ہے۔

درجنوں سیاسی حریفوں کو حراست میں لے کر اور بیسیوں صنعت کاروں پر بدعنوانی کا الزام لگاکر بے نظیر بھٹو نے اکتوبر 1993ء میں وزارت عظمی کا منصب سنبھالنے کے بعد سے اپنے اقتدار کو خاصا مستحکم کیا ہے۔ مالیاتی نظم و ضبط کے فقدان اور انٹر نیشنل مانیٹری فنڈ کی پابندی سے وصول ہونے والی امداد، روز بروز بڑھتے ہوئے خسارے، پیداوار کی گرتی ہوئی شرح اور افراط زر کی صورت حال نے بے نظیر کو پاکستان کے مسائل کو سلجھانے کا ایک اور موقع فراہم کردیا تھا لیکن جیسا کہ رضیہ بھٹی نے بتایا کہ وہ کچھ بھی نہ کرسکیں اور عوام کے غصے اور احساس محرومی میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ کراچی پر چھایا موجودہ عذاب کا سبب افغان اسلحوں کی بھرمار کے ساتھ افغانستان کی جنگ کے بعد سے پاکستان میں شروع ہونے والی افیم کی کاشت اور ہیروئن سازی بھی ہے اور اس وقت پاکستان ہیروئن پیدا کرنے میں دنیا میں دوسرا مقام رکھتا ہے۔ اس دھندے میں وہی رضاکار ہیں جو جنگ میں کمیونسٹوں کے مقابلے میں مجاہدین کی مدد کرنے آئے تھے۔ جنگ ختم ہوئی تو ان میں بیشتر وہیں رک گئے اور پشاور کو اپنا اڈہ بنالیا۔ اب حال یہ ہے کہ منشیات کا دھندہ کرنے والے بڑے بڑے تاجر اپنی ذاتی فوج رکھتے ہیں اور پولیس اور اعلی افسران تک کو اپنی مٹھی میں لئے رہتے ہیں۔ منشیات کے دھندے اور دہشت گردی پر قابو پانے کے لئے محترمہ بے نظیر کے اقدامات کو نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ملک کو اپنے مسائل کا کوئی دیرپا حل نہیں مل پا رہا ہے اور اس حل کے نفاذ کے سیاسی عزم کا بھی فقدان ہے۔

گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ کے تحفظ کے معاملے میں

مایاوتی حکومت کے ارادے طشت از بام

ملی ٹائمز کے گذشتہ شمارے میں گیان واپی مسجد اور متھرا کی شاہی عیدگاہ کو لاحق خطرات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ قارئین کے ہاتھوں میں اخبار کے پہنچنے سے قبل ہی مذکورہ دونوں مقامات پر شرپسندوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ گیان واپی مسجد کے پاس واقع شرنگار گوری مندر میں جل ابھیشیک کے نام پر فرقہ پرستوں نے جو سازش رچی تھی اس سے اترپردیش کی مایاوتی حکومت بے نقاب ہوگئی۔ حکومت یہ اعلان کرتی رہی کہ وہ جل ابھیشیک نہیں ہونے دے گی لیکن جب جل ابھیشیک کی خبریں چاروں طرف پھیل گئیں تب بھی حکومت نے اس سے انکار کیا لیکن کانپور میں دیئے گئے یوپی بی جے پی کے صدر کلراج مشرا کے بیان سے مایاوتی حکومت ننگی ہوگئی اور پارلیمانی وزیر نے ایوان کو جس طرح اپنی جھوٹی باتوں سے گمراہ کیا تھا اس کی قلعی کھل گئی۔ بالآخر مایاوتی نے ایک انکوائری کمیٹی کے قیام کا اعلان کرکے اپنا دامن چھڑایا۔

حالانکہ گیان واپی مسجد کے آس پاس صورت حال خاصی دھماکہ خیز تھی۔ شرپسندوں نے مسجد کے خلاف انتہائی خطرناک سازشیں رچی تھیں۔ وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری اشوک سنگھل کی قیادت میں یہ سازشیں پایہ تکمیل تک پہنچائی جانے والی تھیں لیکن شہر کے مسلمانوں کی طرف سے پیشگی قدم اٹھانے کے سبب انتظامیہ نے چوکسی برتی اور اشوک سنگھل کے ساتھ کچھ ہزار لوگ جل چڑھانے جاسکے۔ جبکہ پروگرام زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس میں شریک کرنے کا تھا۔ حکومت کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اشوک سنگھل بھی جل چڑھانے میں کامیاب نہیں ہوئے جبکہ آر ایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ نے اشوک سنگھل اور بی جے پی کے ایم پی اور وشو ہندو پریشد کے نیتا شریش دکشت کی جل چڑھاتے ہوئے تصویریں شائع کی ہیں۔

شریش دیکشت گیان واپی مسجد میں گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے۔انسیٹ میں اشوک سنگھل

اس موقع پر وہاں گڑبڑی کرنے کی پلاننگ کی گئی تھی جسے پولیس انتظامیہ نے لاٹھی چارج کرکے ناکام بنا دیا۔ لیکن پانچ جنیہ کا کہنا ہے کہ اشوک سنگھل کے قافلے میں مسلم شرپسند گھس گئے تھے اور انہی غیر سماجی عناصر پر لاٹھی چارج کیا گیا کیونکہ وہ اس پرامن جل ابھیشیک کو سبوتاژ کرنا چاہتے تھے۔ ادھر دوسری طرف متھرا میں بھی حالات دھماکہ خیز ہوتے جارہے ہیں۔ 18 اگست کو پڑنے والی کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر وشو ہندو پریشد نے وہاں جل ابھیشیک، پریکرما اور وشنو مہایگیہ کا اعلان کیا ہے۔ سردست یوپی حکومت نے وہاں ایسے پروگراموں پر پابندی لگا دی ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ ان پروگراموں کو نہیں ہونے دے گی لیکن مایاوتی حکومت سے ایسی کوئی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ حکومت بنارس میں بھی جل ابھیشیک کے معاملے پر عوام کو گمراہ کرچکی ہے۔ کیا وہ متھرا میں بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کو ناراض کرسکتی ہے؟ دراصل ہوگا وہی جو پریشد اور بی جے پی چاہیں گی۔ ابھی شاید یہ دونوں تنظیمیں مذکورہ دونوں عبادت گاہوں کو گرانا نہیں چاہتیں صرف ماحول گرما کر اس کا فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں ورنہ مایاوتی حکومت میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ وہ بی جے پی سے الگ کوئی فیصلہ کرسکتی۔ کیونکہ اسے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ بی جے پی نے اگر اپنی بیساکھی کھینچ لی تو یہ حکومت دھڑام سے زمین بوس ہوجائے گی اور مایاوتی فی الحال وزیراعلیٰ بنی رہنی چاہتی ہیں خواہ اس کے لئے ملک و قوم کو کچھ بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

●

پانچ لاکھ گاؤں میں کشیدگی پیدا کرنے کے لیے

رتھ یاتراؤں کی زوردار تیاریاں

یاتراؤں کے لئے "امرت کلش" کی تیاری

رتھ یاتراؤں کی آڑ میں فسادات بھڑکانے کی تیاری زوروں پر ہے وشو ہندو پریشد کے خیمے میں بڑا جوش و خروش ہے۔ اس یاترا کے ذریعے پانچ لاکھ گاؤں میں گھوما جائے گا اور ہندوؤں کو گنگا جل سے بھرا ایک لوٹا جسے پریشد نے "امرت کلش" کا نام دیا ہے پیش کیا جائے گا۔ 85 ہزار کلش تیار کئے جارہے ہیں۔ بڑی یاترائیں جہاں جہاں سے نکلیں گی وہاں بھی تیاریاں آخری مراحل میں ہیں ڈی سی ایم ٹویوٹا کو رتھ کی شکل دی جارہی ہے۔ اس میں پریشد کی یاتراؤں کے عزائم کو اجاگر کرنے والی تصویریں بھی لگی ہوں گی۔ جن میں اکھنڈ بھارت کا نقشہ، بچھڑا سمیت گائے اور کمر واہنی گنگا کی مورتی بھی لگی ہوگی۔ چھ فٹ اونچی یہ مورتی مراد آباد میں بن رہی ہے۔ یہ مکمل طور پر پیتل کی ہے۔ اکھنڈ بھارت کا کٹ آؤٹ احمد آباد میں تیار ہورہا ہے۔

ان تیاریوں کا مرکز ہری دوار ہے۔ جہاں کلشوں کی تقسیم کی جائے گی۔ مراد آباد کے دو سو کاریگر یہ کلش بنارہے ہیں۔ مراد آباد سے یہ کلش ہری دوار پہنچ رہے ہیں جہاں تقریباً دو سو لوگ ان میں گنگا جل بھر رہے ہیں۔ یہ کام روزانہ بارہ گھنٹے ہورہا ہے ان کلشوں کو پانی بھرنے کے بعد سیل بند کیا جارہا ہے اور پیٹیوں میں بند کرکے ملک کے کونے کونے پہنچایا جارہا ہے۔ اب تک جنوب کی ریاستوں میں 35 ہزار کلش بھیجے جاچکے ہیں۔ یہ کام بیس اگست تک پورا کرلیا جائے گا۔ اس کے علاوہ تانبے کی گنگا جلی بھی بنائی جارہی ہے۔ اسے بھی دو سو کاریگر بنارہے ہیں۔ یہ گنگا جلی دس لاکھ کی تعداد میں بن رہی ہیں۔ اس کے علاوہ پلاسٹک کے پندرہ لاکھ برتنوں میں بھی گنگا جل بھرا جارہا ہے۔ یہ جگہ جگہ لوگوں کو بانٹا جارہا ہے۔ یاترا کی تیاری بیس اگست تک پوری کرلی جائے گی۔ اس پورے کام میں پریشد کے ایک ہزار ورکر لگے ہوئے ہیں۔ یاترا 3 اکتوبر 1995ء سے شروع ہوکر 30 ستمبر 1995ء تک چلے گی۔ اس پروگرام کے ذریعے پندرہ لاکھ لوگوں کو جوڑنے کا پلان ہے۔

> یاترہ کی تیاری بیس اگست تک پوری کرلی جائے گی۔ اس پورے کام میں پریشد کے کئی ہزار ورکر لگے ہوئے ہیں۔ یاترہ 3 اکتوبر 95 سے شروع ہوکر 30 ستمبر 95 تک چلیگی۔ اس پروگرام کے ذریعے پندرہ لاکھ لوگوں کو جوڑنے کا پلان ہے۔

راؤ کی قیادت کو ایک اور چیلنج

کیا وزیراعظم نرسمہا راؤ کا بلند و بالا قد اپنے پارٹی ساتھیوں کی نظر میں بہت چھوٹا ہوگیا ہے اور کیا اب ان کا رعب و دبدبہ ختم ہوتا جارہا ہے؟۔ گذشتہ دنوں وقوع پذیر ہوئے کئی واقعات کے تناظر میں یہ سوالات سر اٹھا رہے ہیں۔ سیاسی حلقوں میں یہ رائے بنتی جارہی ہے کہ راؤ کی قیادت کو ایک اور چیلنج کا سامنا ہے اور سابق مرکزی وزیر ارجن سنگھ نے جو مہم شروع کی تھی وہ اب دوسری شکل میں پروان چڑھنے لگی ہے۔ ارجن سنگھ کے چیلنجوں کو نرسمہا راؤ بے اثر کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے، کیا موجودہ چیلنج پر بھی وہ قابو پاجائیں گے یہ سوال بھی سیاسی حلقوں میں گردش کر رہا ہے۔

مہاراشٹر کے سابق وزیراعلیٰ شرد پوار کے بابری مسجد کے معاملے پر مسلمانوں سے معافی مانگنے اور وزیر داخلہ ایس بی چوان کی مہاراشٹر حکومت کی ایک تقریب میں شرکت نے پارٹی میں زبردست طوفان برپا کردیا ہے۔ اس طوفان میں اس وقت مزید شدت پیدا ہوگئی جب مرکزی وزیر شہری ہوا بازی غلام نبی آزاد نے ایس بی چوان پر زبردست جارحانہ حملہ کیا۔ انہوں نے چوان کی مذمت اور اس فنکشن میں شامل نہ ہونے پر ریاستی ممبران اسمبلی کی تعریف کی اور انہیں مبارکباد دی۔ انہوں نے کہا کہ ایسے وقت میں جبکہ لیڈران آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں پارٹی ورکرس نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور میں اس پر بہت خوش ہوں۔ واضح رہے کہ اس تقریب میں کانگریس کے دس ممبران اسمبلی نے شرکت کی اور 69 نے خود کو اس سے دور رکھا۔ یہ تقریب چوان کی 75 ویں یوم پیدائش کے سلسلے میں تھی۔

قابل ذکر ہے کہ ریاستی کانگریس اور

باقی صفحہ [illegible] پر

سمتا پارٹی کے لیڈروں کے سامنے سیاسی وجود کی بقا کا سوال

سید شہاب الدین، یونس سلیم اور عبدالغفور بی جے پی سے ہاتھ ملانے جا رہے ہیں؟

اس وقت ہر سیاسی پارٹی اپنے وجود کی بقا اور آئندہ انتخابات میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے کسی نہ کسی جماعت سے اتحاد کی کوشش کر رہی ہے۔ ان میں سب سے اہم نیشنل فرنٹ اور بی جے پی ہیں۔ نیشنل فرنٹ کسی نہ کسی سطح پر تھوڑی بہت اصول پسندی کا مظاہرہ بھی کر رہا ہے لیکن بی جے پی نے ہوس اقتدار میں اپنی اصول پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور جس جماعت سے بھی تھوڑا بہت فائدہ ملتا نظر آرہا ہے اس سے اتحاد کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ لیکن سمتا پارٹی جس بے اصولی رویے کا مظاہرہ کر رہی ہے وہ مضحکہ خیز شرمناک اور افسوس ناک ہے

سمتا پارٹی کے صدر اور معروف سوشلسٹ لیڈر جارج فرنانڈیز نے ٹیلی ویژن نیٹ ورک کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کی جماعت پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی سے اتحاد کرلے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے بہت کوشش کی کہ نیشنل فرنٹ میں شامل ہو جائیں اور یہ کہ نیشنل فرنٹ کا دائرہ وسیع ہونا چاہئے لیکن غالباً فرنٹ والے ہمیں اپنے ساتھ لینے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ وہ ہمیں سیاسی اچھوت سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے سامنے اپنے سیاسی وجود کی بقا کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے اور ہم دھرم سنکٹ میں پھنس گئے ہیں۔ ایسی صورت میں بی جے پی سے اتحاد کرنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہم اپنی پارٹی کے دیگر ساتھیوں سے گفت و شنید کر رہے ہیں ممکن ہے کہ کچھ ساتھی اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کریں لیکن بحیثیت صدر کے مجھے تو اکثریت کا ساتھ دینا ہے۔

گویا جارج فرنانڈیز نے سمتا پارٹی کو بی جے پی میں شمولیت کے لئے ہری جھنڈی دکھا دی ہے۔

نتیش کمار، سیاسی وجود داؤ پر

کیونکہ ان کے سیاسی مستقبل اور سیاسی وجود کی بقا کا سوال اٹھ کھڑا ہو گیا ہے۔ یوپی میں بی جے پی اور بی ایس پی اتحاد کے وقت سے ہی سمتا پارٹی میں ایک طبقہ اس خیال کا حامی رہا ہے کہ بہار میں بی جے پی سے اتحاد کر لینا چاہئے۔ اس کی کئی وجوہات رہی ہیں۔ ایک تو بی جے پی نے سمتا پارٹی کو اتحاد کی پیش کش کی تھی، دوسرے بہار میں سمتا کی کوئی عوامی بنیاد نہیں ہے۔ (دوسری کسی ریاست میں اس کا وجود بھی نہیں ہے کیونکہ اس کے تمام لیڈر بہار ہی سے تعلق رکھتے ہیں) تیسرے اسمبلی انتخابات میں اس کا جنازہ نکل گیا ہے۔ وہ پارٹی جو حکومت بنانے کے دعوے کر رہی تھی اس کے صرف چار ممبران اسمبلی کامیاب ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود کو مستقبل کا وزیر اعلیٰ کہنے والے نتیش کمار بھی چاروں شانے چت ہوگئے۔ چوتھے نیشنل فرنٹ نے سمتا پارٹی کو اپنے ساتھ لینے میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔ فرنانڈیز چاہتے تھے کہ فرنٹ میں شامل ہو جائیں جب کہ نتیش کمار شروع سے ہی بی جے پی کے حق میں رہے ہیں۔ اب اگر دونوں میں کوئی اتحاد ہو جاتا ہے تو اس سے سمتا کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے بی جے پی کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔ سمتا کے کندھے پر سوار ہو کر وہ تھوڑی دور چلنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

جہاں تک نیشنل فرنٹ میں سمتا پارٹی کے آنے کا سوال ہے تو اس کے سب سے بڑے مخالف لالو یادو ہیں۔ یوں بھی یہ گروپ جنتا دل سے الگ ہوا تھا اور بہار کے اسمبلی الیکشن میں اس نے لالو مخالفت کی بنیاد پر ہی اپنی انتخابی سیاست کی عمارت کھڑی کی تھی۔ لالو یادو کا کہنا ہے کہ اگر سمتا پارٹی والے فرنٹ میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو پہلے انہیں جنتا دل سے الگ ہونے اور ان کی مخالفت کرنے کی معافی مانگنی ہوگی۔ وہ نتیش کمار کو پھر بھی معاف کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ نتیش لالو کے دیرینہ رفیق رہے ہیں لیکن لالو کے خلاف انہوں نے کرمی اور کوری اتحاد بنا کر ان کی ہوا نکالنے کی مہم چلائی تھی۔ یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ فرنانڈیز جیسا سماجوادی لیڈر جس کی سیاست کی بنیاد ہی فرقہ واریت مخالف ۔اپنے سیاسی وجود کی بقا کے لئے بی جے پی جیسی فاشسٹ جماعت سے اتحاد پر مجبور ہے۔ فرنانڈیز کے لئے یہ انتہائی شرمناک بات ہے

کیا سید شہاب الدین، یونس سلیم اور عبدالغفور بی جے پی کے دسترخوان کی زینت بننا گوارہ کریں گے؟ کیا مذکورہ لیڈران بی جے پی سے محض اس امکان کی بنا پر اتحاد کرنے کا زہر اپنے حلق سے نیچے اتار لیں گے کہ انہیں پارلیمنٹ کی ایک عدد سیٹ مل سکتی ہے۔ بی جے پی سے اتحاد کا کلنک اپنی پیشانی پر لگا کر یہ مسلم قائدین کس منہ سے عوام کے سامنے جائیں گے۔

سید شہاب الدین: کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب

انہیں اپنے مستقبل کے تحفظ کے لئے بی جے پی کا مرہون منت ہونے کے بجائے سیاسی بن باس لے لینے کو ترجیح دینی چاہئے تھی وہ بھی ایسی صورت میں کہ اس اتحاد سے ان کا کم بی جے پی کا زیادہ فائدہ ہوگا۔ یہ قدم یوں بھی سیاسی خودکشی کے مترادف ہے۔

اس پورے کھیل میں سب سے عجیب و غریب پوزیشن سمتا پارٹی کے مسلم لیڈروں کی ہے۔ کیا سید شہاب الدین، یونس سلیم اور عبدالغفور بی جے پی کی دسترخوان کی زینت بننا گوارہ کریں گے؟ کیا مذکورہ لیڈران بی جے پی سے محض اس امکان کی بنا پر اتحاد کرنے کا زہر اپنے حلق سے نیچے اتار لیں گے کہ انہیں پارلیمنٹ کی ایک عدد سیٹ مل سکتی ہے۔ بی جے پی سے اتحاد کا کلنک اپنی پیشانی پر لگا کر یہ مسلم قائدین کس منہ سے عوام کے سامنے جائیں گے۔ کیا شرم ان کو ذرا نہیں آتی؟

دیکھا جائے تو سمتا پارٹی کے لیڈران اپنے سیاسی بن باس کے خود ذمہ دار ہیں۔ لیکن نیشنل فرنٹ کے لیڈروں کو وسیع القلبی کا مظاہرہ کر کے اور یہ سوچ کر انہیں ان کے کئے کی سزا مل گئی ہے۔ انہیں فرنٹ میں شامل کر لینا چاہئے۔ اس سے ایک تو اس کا دائرہ وسیع ہوگا اور دوسرے بہار میں بی جے پی کا کھیل فیل ہو جائے گا۔

کیا جھارکھنڈ کونسل میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دی گئی ہے؟

رانچی سے شریف احمد مظہری کی رپورٹ

مرکزی حکومت کے ذریعہ جھارکھنڈ آٹونومس کونسل کی منظوری کے بعد ریاستی سرکار نے بھی محدود اختیارات کے ساتھ کونسل کے نفاذ کا اعلان کردیا ہے۔ اگرچہ کونسل کے قیام سے جھارکھنڈ الگ ریاست کے لئے تقریباً نصف صدی سے چلی آرہی تحریک کا خاتمہ نہیں ہو جاتا پھر بھی اس کی جارحانہ روش میں تھوڑے وقفے کے لئے کمی ضرور آجائے گی۔

تاہم اس کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کونسل کے اندر مسلمانوں کی حیثیت کیا ہوگی اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بے چینی کا پایا جانا فطری امر ہے۔ کیوں کہ اعداد و شمار کے مطابق جھارکھنڈ میں صرف مومن برادری کی آبادی 31 فیصد ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تعلیمی، معاشی، سیاسی و سماجی ہر اعتبار سے مسلمانوں کی حالت آدیباسیوں سے بہتر نہیں بلکہ بعض علاقوں میں ان سے بھی بدتر ہے جہاں تک جھارکھنڈ الگ ریاست کے لئے جدوجہد کرنے والی جماعتوں سے مسلمانوں وابستگی کا معاملہ ہے تو ان میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ نہ صرف شامل رہا ہے بلکہ متعدد نوجوان اپنی جان عزیز تک گنواں بیٹھے ہیں اس کے باوجود اگر کونسل میں مسلمانوں کی حیثیت کا تعین نہیں ہوتا یا

لالو یادو، شیبو سورین اور سورج منڈل کا خیر مقدم کرتے ہوئے

کی مناسب نمائندگی نہیں دی جاتی تو یہ حق و انصاف کا گلا گھونٹ کر ایک بڑے طبقے کو اس کے جائز حقوق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔

شیبو سورین اور سورج منڈل کو صدر اور نائب صدر بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لالو نے جو کونسل بنائی ہے اس میں نہ تو تمام علاقوں کو بھرپور نمائندگی دی گئی ہے نہ تو مسلمانوں کو انکی آبادی کے اعتبار سے نمائندگی دی گئی ہے۔ یہ کونسل چھ مہینے تک اپنا کام کریگی اس کے بعد نیا الیکشن ہوگا۔ جہاں تک مسلمانوں یا غیر آدی باسی اقوام کے مسائل کا تعلق ہے تو سی این ٹی ایکٹ کے تحت پہلے ہی سے بے شمار مسائل ہیں کونسل کے نفاذ کے بعد شیڈول 6 اور مائی رول جیسے دفعات پر سختی سے عمل کے جو نتائج ہوں گے اس کا بھی براہ راست اثر مسلمانوں پر پڑے گا۔

اگرچہ جھارکھنڈ مکتی مورچہ اور دیگر جھارکھنڈ پارٹیوں نے اب تک اپنا سیکولر کردار ہی پیش کیا ہے پھر بھی مستقبل میں بوڈو لینڈ جیسی صورت حال پیدا ہونے اور مسلمانوں اور آدی باسیوں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی سازشوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان خدشات کا اظہار جھارکھنڈی رہنماؤں نے بھی کیا ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے کسی قسم کی سنجیدہ کوشش کا فقدان ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم رہنما اور دانشور اس بات کے لئے سنجیدہ اقدامات کریں کہ مذکورہ کمیٹیوں میں ان کی مناسب نمائندگی ہو اور حلقہ انتخاب کی تشکیل میں ماضی میں دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جو غلطیاں ہو چکی ہیں ان کا اعادہ نہ ہو اور مسلم آبادی کا پوسٹ مارٹم کر کے انہیں سیاسی طور پر مفلوج اور بے اثر نہ بنا دیا جائے۔

اب مسلم گھروں میں دن کا آغاز قرآن سے نہیں

صحیفہ دجال کی تلاوت سے ہوتا ہے

ابلیس کے ہیڈ کوائٹر کا انکشاف —— پہلی قسط

گذشتہ شمارے میں ہم نے اپنے قارئین کو یہ خبر دی تھی کہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہنے والا ابلیس کا مرکزی ہیڈ کوارٹر ایک معروف جغرافیائی خطے کا نام ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو گمراہ کرنے کے لئے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ اسلامی ماخذ میں اور خاص طور پر قرآن مجید میں ابلیس کا جس انداز سے تذکرہ کیا گیا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس وسوسے کے علاوہ ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ یہ سچ ہے کہ آدم کی نافرمانی کے لئے بہکانے اور اس کے دل میں وساوس پیدا کرنے کا کام بھی شیطان ملعون نے ہی انجام دیا اور جب اب تک وہ انسانوں کو راہ راست سے ہٹانے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ عام طور پر زبان زد قرآن کی آخری سورہ الناس شیطان کے وساوس سے ہی نہیں بلکہ شیطان کی ہر شکل سے خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے ۔ اللہ کی پناہ حاصل کرنے کا انداز سکھاتی ہے۔

گویا قرآن کے مطابق جنوں کا وجود اور شیطانی دنیا کا مسلسل سرگرم عمل رہنا ایک حقیقت ہے۔ بعض لوگ شاید یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ شیطان کسی علیحدہ وجود یا شخصیت کا نام نہیں بلکہ انسان کے اندر پائی جانے والی نچلی جبلتوں اور حیوانی خواہشات سے عبارت ہے۔ لیکن یہ حقیقت کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ ابلیس کو قیامت تک کے لئے کھلی چھوٹ دینے کا صاف مطلب ہے کہ وہ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ کہیں نہ کہیں سے نسل انسانی کی گمراہی کے لئے شب و روز مصروف ہے۔ اسکیمیں بناتا ہے اور ان پر عمل بھی کرتا ہے اور آئندہ کی پلاننگ کے لئے اجلاس بھی طلب کرتا ہے۔

بیسویں صدی کے دوسرے ربع میں اقبال نے ابلیس کی مجلس شوریٰ لکھ کر مسلم مفکرین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا جب اقبال کا تصور بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ خلافت کے سقوط، اسلام کی پسپائی اور کفر کے عالمی غلبے کے پیچھے ضرور کہیں نہ کہیں ابلیس کی پلاننگ کام کر رہی ہے۔ اقبال اپنے قرآنی مطالعے اور زبردست تصور کی مدد سے چند لمحوں کے لئے ابلیس کی اس مجلس شوریٰ میں جا پہنچے جہاں اسلام کے خلاف گویا تقریروں اور رپورٹوں کا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔

شیطانی دنیا کے اس طرح متحرک رہنے کا خیال اقبال کے ذہن کی محض یوں ہی نہیں آیا بلکہ اس کے پیچھے دراصل وہ احادیث ہیں جن میں انتہائی ڈرامائی طور پر شیطان کے خوش ہونے، شاباشی دینے اور اپنے شاگردوں کو نیک انسانوں کو راہ عمل سے ہٹانے پر مامور کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ جدید دنیا پر نظر ڈالی جائے تو یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ گویا شیطان کا جال نظام سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے اس وقت پوری دنیا پر حاوی ہو گیا ہے۔

> یہ مثلث بہت پر اسرار اور عجائبات کا مسکن ہے۔ جدید سائنس ترقی یافتہ آلات، مشینوں اور ماہرین کی سہولت کے باوجود آج تک اس کی پر اسراریت کی منطقی فصاحت پیش کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس مثلث کے اندر عجیب و غریب اور انسانی ذہن کو حیرت میں ڈال دینے والے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

شرک کے پھیلانے کے لئے کون سا ایسا ذریعہ ہو گا جو شیطان نے اختیار نہ کیا ہو۔ ٹیلی ویژن کے فحش چینلوں کے ذریعے شیطانی تہذیب اپنے نظریے کی تبلیغ اور عملی طور پر قائم کر دکھانے میں اللہ کے نیک بندوں کے طریقہ تبلیغ سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ لندن میں مقیم ایک عالم دین مولانا عبدالخالق اندوی جو شب و روز قرآن پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ کے کلام سے توجہ ہٹانے کے لئے شیطان لہو الحدیث کے مختلف مظاہر سامنے لاتا ہے تاکہ اللہ کے کلام کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹائی جاسکے۔ مثال کے طور پر ان کا کہنا ہے کہ جدید شیطانی تہذیب کے صحیفہ دجال کی مقبولیت ملاحظہ کیجئے۔ یہ عالم دین اخبارات کو دجال کے صحیفے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ کل جب مسلمانوں کے گھروں میں صبح ہوتی تھی تو اس کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا کرتا تھا اب صبح کا آغاز صحیفہ دجال یعنی اخبارات سے ہوتا ہے۔ گویا شیطان نے ہر محاذ پر متبادل پیدا کر دیا ہے تاکہ لوگوں کی توجہ الٰہی پیغام سے ہٹا کر لہو الحدیث میں لگائی جاسکے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ حیرت کی بات ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے بانی اور اس صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کے سب سے موثر قائد محمد علی جناح نے اپنی قوم کے بچوں کو جو ہدایت کی تھی وہ اخبارات پڑھنے کی تھی قرآن پڑھنے کی نہیں۔

شیطان کا مرکزی دفتر کاموں کی بہتات اور دنیا بھر میں کفر کے غلبے کے لئے سرگرم ہونے کی وجہ سے شب و روز سرگرمی کی آماجگاہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی دنیا پر نظام کفر کو غالب کر دینے میں انہیں کیا کیا کچھ نہ کرنا پڑا ہوگا۔ ذرائع ابلاغ کے استعمال کے علاوہ شیطانی تہذیب مسلسل پلاننگ میں مصروف رہتی ہے اور اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کے غلبے کے لئے ہونے والی کوششوں کو کسی فیصلہ کن نتیجے تک پہنچنے سے قبل ہی سبوتاژ کر دیا جائے۔ اس قسم کی باتوں کا اظہار اور جدید دنیا سے متعلق بہت سی شیطانی سازشوں کا انکشاف ابھی گذشتہ دنوں ابلیس کے ایک قریبی رفیق نے دمشق میں کیا۔ اس گفتگو کو ہم انشاء اللہ مستقبل میں پوری تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے آئیے ذرا اس جغرافیائی خطے کا تعارف ہو جائے جہاں اس حالیہ انکشاف کے مطابق ابلیس ملعون کا مرکزی دفتر واقع ہے۔

مثلث نمائے برمودا کا نام سنتے ہی آدمی پر خوف و دہشت سے کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور اسی لئے بعض لوگوں نے اس کا نام خونی مثلث یا موت کا جزیرہ رکھا ہے۔

یہ مثلث بہت پر اسرار اور عجائبات کا مسکن ہے۔ جدید سائنس ترقی یافتہ آلات، مشینوں اور ماہرین کی سہولت کے باوجود آج تک اس کی پر اسراریت کی منطقی فصاحت پیش کرنے میں ناکام رہی ہے۔ برمودا بحر اٹلانٹک میں ایک فرضی اور خیالی مثلث نما علاقے پر مشتمل ہے۔

اس مثلث کے اندر عجیب و غریب اور انسانی ذہن کو حیرت میں ڈال دینے والے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کئی جہاز اپنے عملے اور سواریوں کے ساتھ حیرت ناک طور پر غائب ہو گئے اور اس کی وجہ عقل و خیال کے گھوڑے ہر سمت میں دوڑانے کے باوجود کوئی سائنسداں نہیں بتا سکا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس علاقے کو پار کرنے والے جہاز رانوں اور مسافروں میں سے کسی کے کوئی آثار بھی نہیں ملے۔ اور یہ بات برابر راز بنی ہوئی ہے اور اس کے آگے انسانی عقل دنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس میدان میں مصروف کار سائنسدانوں کے سامنے جب یہاں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہوتا ہے تو وہ کوئی اطمینان بخش جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔

مثلث نمائے برمودا کا کل رقبہ 770 ہزار مربع کلو میٹر ہے اور اس کی حدود ثلاثہ حسب ذیل ہیں:

(الف) اس کا شمالی سرا جزیرہ برمواد میں ہے جو کہ برطانوی کالونی ہے اور وہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔ اس کی راجدھانی ہملٹن ہے۔

(ب) اس کا جنوب مشرقی سرا بورٹوریکو میں واقع ہے جو امریکی فوجی انتظامیہ کا مرکز ہے۔ یہاں اسپینی زبان بولی جاتی ہے اور انگریزی سرکاری زبان ہے۔ اس کی راجدھانی سان جوان ہے۔

(ج) جنوبی سرا میامی فلوریڈا سے لگتا ہے۔

کے معلوم تھا کہ مثلث نمائے برمودا کا علاقہ دراصل ابلیس کا مرکزی دفتر ہے اب تک تو اسے زندگی کے عجائبات میں شامل کیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہاں کی ہر بات عام انسانوں کی زندگی سے مختلف اور انوکھی ہے جس کے رازوں کی پیچیدگی ناقابل بیان ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو زندگی ہم جی رہے ہیں وہ بذات خود ایک راز ہے۔ ہمارے سر پر چھایا ہوا آسمان بھی اپنے دامن میں بہت سے راز چھپائے ہوئے ہے۔ یہ ستارے، سیارے اور نظامہائے شمسی سب کے سب ایسے راز ہیں جن کی تہہ تک پہنچنے کے لئے دنیا کے سائنسداں اور اہل علم اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر رہے ہیں اور حیرت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہیں آرہا ہے۔

پرسنل لابورڈ کی قیادت نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا

مفتی عتیق الرحمن مرحوم کے رفیق مولانا انعام صدیقی کاندھلوی

یہی میکدہ جو اداس ہے اسی میکدے میں ہجوم تھا
یہ تمہارے ظرف کی بات ہے وہ ہمارے ظرف کی بات تھی

میں مفتی عتیق الرحمن مرحوم کے زمانے میں مسلم پرسنل لابورڈ کی میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا مگر ان کے انتقال کے بعد میں نے بورڈ کی میٹنگ میں شرکت کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس وقت بورڈ کے جو ذمہ داران ہیں میں ان کی پالیسیوں اور پروگراموں سے متفق نہیں ہوں۔ مجھے ان کی کارکردگی اور ان کی قیادت پر اعتماد نہیں ہے۔ یہ لوگ قیادت کے اہل نہیں ہیں۔ اس قیادت نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

بورڈ کے موجودہ عہدیداران میں حب دین کے بجائے حب مال ہے۔ یہ لوگ دین کے نام پر بین بجا کر قوم سے سرمایہ بٹور رہے ہیں۔ بابری مسجد کے بارے میں ان قائدین کا رویہ یکسر غلط رہا ہے اگر یہ لوگ سوجھ بوجھ کے ساتھ قدم اٹھاتے تو بابری مسجد کا یہ حشر نہ ہوتا۔ ان لوگوں نے قوم کا فائدہ دیکھنے کے بجائے اپنا فائدہ دیکھا اور مختلف انداز سے چندہ کر کے کروڑوں روپے کمائے۔ مجھے پرسنل لابورڈ کے صدر کی کارکردگی سے بھی اتفاق نہیں ہے۔ وہ بھی قیادت کے قابل نہیں ہیں۔ بابری مسجد کے سلسلے میں بورڈ نے فیصلہ کیا تھا کہ اب کوئی بھی شخص وزیر اعظم سے نہیں ملے گا۔ لیکن علی میاں صاحب نے الگ سے جا کر اور ممبران کو اعتماد میں لئے بغیر نرسمہا راؤ سے ملاقات کی انہوں نے اس ملاقات کی وضاحت بھی نہیں کی۔

میرا مطالبہ ہے کہ تمام مسلم تنظیموں کا وجود چاہے وہ پرسنل لابورڈ ہو یا مسلم مجلس مشاورت یا پھر جمعیۃ العلماء ہو، ختم کر دینا چاہئے۔ ان کی ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان تمام کو ختم کر کے ایک پلیٹ فارم بنانا چاہئے اور اس کی قیادت موجودہ قائدین سے الگ ہٹ کر کسی کے ہاتھ میں دینی چاہئے جو قوم کے لئے کام کر سکے۔ اس وقت قوم کا شیرازہ منتشر ہے ضرورت ہے کہ اس کو متحد کیا جائے۔ لیکن اس کے بجائے یہ برساتی مینڈک حکومت کی ایما پر کاغذی گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ چاہے اسعد مدنی ہوں یا جمیل الیاسی یا پھر بورڈ کے صدر۔ ان لوگوں کو قوم کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کا بائیکاٹ کریں۔

دوسری طرف سیاسی قائدین بھی ہیں وہ بھی قوم کے نام پر اپنا بینک بیلنس وسیع کر رہے ہیں۔ الیکشن میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کا بھی بائیکاٹ کریں اور ایسے لوگوں کو سامنے لائیں جو ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر کام کر سکیں اور قوم کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکیں۔ (گفتگو پر مبنی)

اقوام متحدہ کی چوکھٹ پر بوسنیائی مسلمانوں کی قربانی

تین سال قبل سلامتی کونسل نے بوسنیا اور ہرسک کے چھ شہروں سراجیو، بیہاج، گوراڈزے، زیپا اور سربرینیقا کو اقوام متحدہ کی امان میں لینے کی قرارداد پاس کی تھی جس کے تحت ان میں تین شہروں کی حفاظت پر مامور مسلح افراد سے اسلحے لے لئے گئے تھے اور وہاں کے باشندوں کی کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری اقوام متحدہ نے قبول کی تھی لیکن ہوا یہ ہے کہ تین سالوں میں ان علاقوں میں سربیائی یورش کبھی رکی نہیں اور سربیاؤں نے وہاں تک اقوام متحدہ کی غذائی امدادات بھی نہیں پہنچنے دیں اور پچھلے ہفتے تو اقوام متحدہ کے تمام ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سربیائی فوجی سربرینیقا میں گھس گئے سوال یہ ہے کہ سربیائی فوجی سربرینیقا میں گھسنے کی استطاعت تو ہر وقت رکھتے تھے پچھلے ہفتے ہی انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ ظاہر ہے کہ ابھی تک انہیں ہری جھنڈی نہیں دکھائی گئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کے ایلچی یاسوشی اکاشی اور بوسنیائی سرب لیڈر رادوان کرادزک کے مابین خفیہ سمجھوتے کے تحت اقوام متحدہ نے ان علاقوں کو بوسنیائی قیدیوں کی رہائی کے عوض کرادزک کو انعام میں دے دیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہونے والی نسل کشی کا سہرا اپنے سر لے سکے۔ موجودہ صورت حال یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ سربرینیقا سے نکالے گئے 45 ہزار مسلمانوں کو اقوام متحدہ نے خرید لیا ہے اور اسی لئے ناٹو کے طیاروں کو ان مظلومین کی مدد سے روک دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اکاشی نے یہ اعلان بھی کیا کہ اب سربیوں کا وہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکاشی کو سربیائی منصوبے کی پوری آگاہی تھی اور یہی وجہ تھی کہ جیسا کہ ناٹو کے جنرل سکریٹری ویلی کلاڈس نے بتایا کہ اقوام متحدہ نے سربرینیقا کی حفاظت کے لئے کوئی فضائی مدد طلب نہیں کی تھی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ بوسنیا کے مشرقی علاقوں پر سربیائی فوج کشی میں اپنی شرکت کو دنیا کی آنکھوں سے اب اور پوشیدہ نہیں رکھ سکتا جہاں سربرینیقا میں ایک ہزار مسلمان مردوں کو بے دردی سے ذبح کردیا گیا اور تین ہزار کو قیدی بنایا گیا اور باقی آبادی کو اپنے گھر چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کیا گیا اور اقوام متحدہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی نہ کوئی مداخلت کی۔ حالانکہ اس اقدام کی شدید مخالفت بوسنیائی حکومت نے کی تھی۔

اقوام متحدہ کی سربراہی میں مسلم عورتوں کے اغوا اور مسلمان مردوں کو ایذا رسانی کے دروازے کھل گئے ہیں اور زیپا اور گوراڈزے میں داخلے کی غرض سے سربیائی فوجیوں کی مدد کے لئے یوگوسلاوی فوجیوں کی آمد پر اقوام متحدہ کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

سربیائی فوجیوں نے سربرینیقا میں داخل ہونے کے لئے خاص وقت مقرر کیا اس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حالیہ چند مہینوں میں سربیائی فوج کو جو پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس نے ان کی روح کو پژمردہ کردیا لہٰذا انہیں تازہ دم کرنا بھی ضروری خیال کیا گیا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے نسبتاً آسان طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ اکاشی کی حمایت کے زیر سایہ محفوظ علاقوں کو اپنے تسلط کا نشانہ بنایا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں پھیلے ہوئے سربیائی سپاہیوں کو سراجیوو کے محاذ پر سربیائی فوجی قیادت کی اشد ضرورت ہے تاکہ بوسنیائی فوجوں کی پیش رفت کو روکا جاسکے اور بوسنیائی فوج کو گوراڈزے کے قریب ترنو قصبے میں پہنچنے کا خوف بھی انہیں لاحق ہے۔ اقوام متحدہ کے موجودہ موقف کو دیکھتے ہوئے ہی بوسنیائی صدر علی عزت بیگووچ نے بوسنیائی ذمہ داران اور اکاشی اور تھولٹن برگ کے درمیان گفتگو کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ کیونکہ بوسنیائی حکومت کو یقین ہے کہ سربرینیقا میں مسلمانوں کی قتل و غارت گری کی ذمہ دار بھی یہی افراد ہیں۔ اور اقوام متحدہ سربیائی مظالم کا رخ گوراڈزے اور زیپا کی طرف پھیر کر مسلمانوں کے قتل عام کا خون آشام منظر ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہے۔

سربرینیقا کے پناہ گزینوں نے بھوک پیاس کی صعوبت سے گذرنے کی دل دوز تفصیل بیان کی ہے کہ جب بوسنیائی سربوں نے ان کی آبادیوں پر قبضہ کرلیا تو ان پر کیا قیامت ٹوٹی۔ بوسنیائی فوج کی زیر حفاظت علاقوں تک پہنچنے کے لئے بھی انہیں اپنے گھروں سے نکل کر کئی میل کا سفر پیدل طے کرنا پڑا کیونکہ سربیائی ٹرکوں نے انہیں کلاوانی قصبے سے دس کلومیٹر پہلے اتار پھینکا تھا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار پناہ گزینوں کو بوسنیائی فوجیوں نے تزلا کے قریب اقوام متحدہ کی ہوائی پٹی پر پہنچایا اور باقی آگے جانے کے لئے بے یار و مددگار وہیں انتظار کرتے رہے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں نے ان مصائب کی جو روداد بیان کی ہے وہ یقیناً حد درجہ کربناک اور رونگٹے کھڑے کرنے والی ہے۔ ایک سابق فوجی نے بتایا کہ ان کا تین سالہ بچہ حالیہ سربیائی حملے میں جاں بحق ہوگیا اور خوف و دہشت کے ماحول میں وہ اپنے عزیز کی تدفین کی رسوم بھی پوری طرح ادا نہیں کرسکے۔ اس باپ کے دل سے پوچھئے جو کہہ رہا ہے کہ اقوام متحدہ نے ہی سربیائی فوجیوں کو میرے بیٹے کو قتل کرنے کی کھلی چھوٹ دی تھی۔

> تین سالہ بچہ حالیہ سربیائی حملے میں جاں بحق ہوگیا اور خوف و دہشت کے ماحول میں وہ اپنے عزیز کی تدفین کی رسوم بھی پوری طرح ادا نہ کرسکے۔ اس باپ کے دل سے پوچھئے جو کہہ رہا ہے کہ اقوام متحدہ نے ہی سربیائی فوجیوں کو میرے بیٹے کو قتل کرنے کی کھلی چھوٹ دی

تزلا ایرپورٹ سربرینیقا کے مسلم پناہ گزین[...] کا کیمپ بنا ہوا ہے۔ اور یہاں ڈچ اور پاکستانی ا[...] محافظ فوج تعینات ہے۔ یہ شہر جو کاغذ پر ہی سہی [...] جولائی تک محفوظ زون "قرار دیا جاتا تھا" ج[...] ملادک کی قیادت میں بوسنیائی سرب سپاہیوں [...] ہفتوں رات، دن کی بمباری سے اسے تہس نہ[...] کرڈالا۔ اس دوران امدادی تنظیمیں اور تحقیق[...] جماعتیں جنگی جرائم کے ثبوت اکٹھا کریں اور ا[...] بحث و مباحثے میں الجھتی رہیں۔ سربرینیقا [...] سربیائی قبضہ کے وقت وہاں کے باشندوں پر ج[...] گزری اس سے مسلمانوں کے خلاف سرب[...]
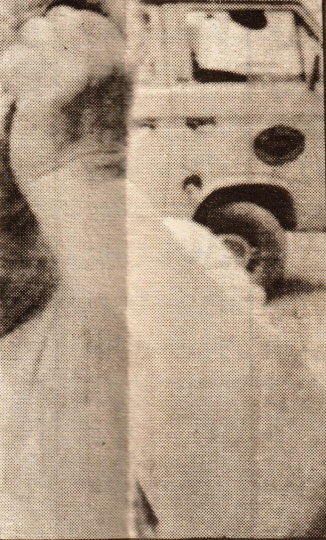
قاتلانہ منصوبے کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تزلا کے کیمپ میں سربرینیقا کے پناہ گزین بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھسے ہوئے ہیں وہ اپنا سب کچھ لٹا کر آئے ہیں اور اپنے خاندانوں سے بچھڑ گئے ہیں کسی کو نہیں معلوم کہ ان کے ماں باپ، بھائی بہن بیٹے بیٹی کہاں اور کس حال میں ہیں۔ سربیائی شکنج[...] سے بچ کر جنگلوں میں روپوش ہونے والے مسلمانوں کا بھی تعاقب ہر وقت موت کرتی رہتی ہے کیونکہ بوسنیائی سپاہی اقوام متحدہ کی وردی پہن کر ایسے شکار کی تاک میں گھومتے رہتے ہیں۔ ذلت کے احساس کے ستائے ہوئے یہ پناہ گزین آپس میں ایک دوسرے سے آنکھ ملانے اور تبادلہ خیال[...]

کیا بوسنیائی مسلمانوں کی قربانی رنگ لائے گی؟

بوسنیائی خواتین ایک پناہ گزین

اذان شروع ہوتے ہی مسجد پر مشین گنوں سے گولیاں ب[...]

پوری دنیا میں قائم جنگل راج کے چند خوں با[...]

مبصرین کا خیال ہے کہ بوسنیا کے واقعات اسی طرح جاری رہے تو پوری دنیا پر جنگل کا راج طاری ہو جائے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا جنگل کے راج کی کیفیت سے کبھی نکلی ہی نہیں تھی جو دوبارہ اس کا شکار ہونے کی نوبت آئے۔ پیش ہے لندن سے خصوصی نمائندے عامر طاہر کی تحریر۔ اس بات کی تصدیق بربریت، سفاکی اور مسلمانوں کی نسل کشی کی بعض مثالوں سے ہوجائے گی۔ رات کے سناٹے میں جب کہ پورا گاؤں نیند میں ڈوبا ہوا ہے اچانک سائرنوں کی آواز کے ساتھ مشین گنیں چلنے لگتی ہیں اور چشم زدن میں درجنوں افراد موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ پہاڑیوں سے گھرے ہوئے ایک گاؤں پر مسلح ہیلی کاپٹروں سے مخصوص طرز کے راکٹوں کی بارش کردی جاتی ہے اور چند منٹوں میں پورا گاؤں قبرستان بن جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد بلڈوزر لاکر لاشوں کو اجتماعی قبروں میں دفن کردیا جاتا ہے۔ اور یہ خونبار منظر بھی ملاحظہ ہو کہ شام کو اسکول ختم ہونے کا وقت قریب ہے کہ نہ جانے کہاں سے مسلح افراد کا ایک جھنڈ اس میں گھسا اور لمحے بھر میں آدھی سے زیادہ عمارت کو بم سے اڑاکر اور سیکڑوں بچوں کو مارتا ہوا نکل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ چار نوعمر لڑکیوں کو خصوصی طور پر الگ چھانٹ لیا گیا اور بعد میں ان کی گردنیں چھرے سے کاٹ ڈالی گئیں۔ چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ابھی

موذن کی اذان کے ساتھ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہی ہوئی تھی کہ چاروں طرف سے جیپوں کی پوری قطار نے مشین گن سے ہر نظر آنے والے آدمی پر گولیوں کی بوچھار کردی۔ اور یہ ڈرامہ بھی ہوا ہے کہ کچھ لوگوں کو آنکھ پر پٹیاں باندھ کر ایک کھلی جگہ میں لاکر بٹھایا گیا۔ ایک خونخوار آدمی ہاتھ میں چھری لئے ان کے سامنے آکر آنکھوں میں آنسو بھر کے انہیں باری باری گلے لگاتا ہے۔ ان ملتجیانہ الفاظ کے ساتھ ان کی گردنیں اتارتا جاتا ہے کہ "براہ کرم مجھے معاف کردیجئے"۔

اگر آپ یہ اندازہ قائم کر رہے ہوں کہ یہ واقعات بوسنیا ہرزیگووینا میں پیش آئے ہیں تو آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔ پہلا واقعہ چالیس سال سے مسلمانوں کی آماجگاہ میانمار یعنی برما کا ہے جہاں ہزاروں عورتوں کی آبروریزی کی جاچکی ہے

اس شمارے کی قیمت

سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / چالیس امریکی ڈالر

یکے از مطبوعات

مسلم میڈیا ٹرسٹ

پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپواکر دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل 49، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا

فون۔ 6827018

سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز۔ 50۔4 روپے

....اور خالدہ اپنے بیٹے کی کٹی ہوئی گردن سے خون پینے لگی

بوسنیائی مسلمانوں کی لرزہ انگیز داستان کا ایک اور خونچکاں باب

کی جرات بھی نہیں کرپاتے۔ ان میں سے نوجوان خالدہ بھی ہے جو ایک خیمے کے سامنے دن بھر
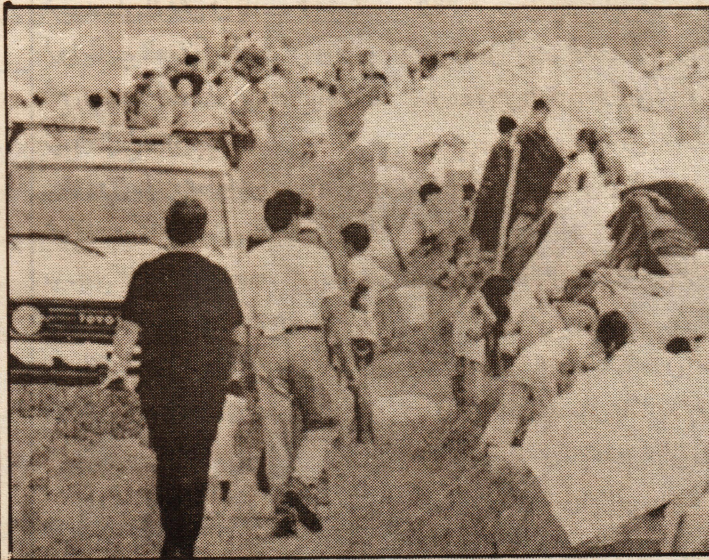
ساکت بیٹھی ہوئی اپنے چار سالہ بیٹے کو دیکھے جاتی ہے۔ اس کی پڑوسن عذرا سالکچ کو اپنے شوہر اور چودہ سالہ بیٹے کے ساتھ سربیاؤں نے ایک ایذا رسانی کے کیمپ میں رکھا ہے۔

عذرا کے بیان کے مطابق اس کی روداد ایسی ہی ہے جیسی اور بہت سی عورتوں کی۔ لیکن خالدہ پر بہت جانکاہ صدمہ ٹوٹا ہے جو اس جنگ کی بدترین مثال ہے۔ جب سربرینیقا میں سربیائی سپاہی داخل ہوگئے تو تین سپاہی خالدہ کے گھر میں گھس گئے اور اس سے سو جرمن مارک کا مطالبہ کیا اس نے کہا کہ جو بھی رقم ان کے پاس تھی وہ اس نے اپنے بچوں کے لئے کھانا خریدنے پر خرچ کردی۔ اس پر وہ سپاہی غضب ناک ہوگئے۔ ایک نے اس کے سب سے بڑے بیٹے کو گریبان سے پکڑ کر خالدہ کی آنکھوں کے سامنے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ پھر سپاہیوں نے خالدہ کو حکم دیا کہ وہ اس کی گردن سے بہتا ہوا خون پیئے تبھی اس کے دو باقی بچوں کی جان بخشی جا سکتی ہے۔ وہ بہتا ہوا خون چاٹنے لگی اور اچانک اس پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو پکڑا اور اس کا گلا دبا دیا یہ دیکھ کر اس کا سب سے چھوٹا بیٹا صحن کی طرف بھاگا۔ اس نے کہا کہ "ان سربیاؤں کے ہاتھوں مرنے سے تو بہتر ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالوں" اس کے بعد سے خالدہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

چار بیٹوں کی ماں چالیس سالہ مخلفہ ضعف سے ساٹھ سال کی لگتی ہے۔ اس کا شوہر کان میں کام کرتا تھا اس کے سب سے بڑے بیٹے اسمیر کو سربرینیقا میں ہی مار ڈالا گیا۔ اس نے سسکیوں کے درمیان بتایا کہ جب قصبے پر سربیاؤں کی یورش ہوئی تو وہاں سے انہیں نکال کر اقوام متحدہ کے ڈچ سپاہیوں کے کیمپ میں لے جایا گیا جہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کو الگ کرلیا گیا۔ مردوں کو سربیاؤں نے ڈنڈوں اور لاتوں سے مارنا شروع کردیا۔ اسمیر کو بھی گھونسوں اور ڈنڈوں سے مارا گیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اسمیر مسلم دہشت گرد ہے۔ لہولہان اسمیر خاموش پڑا رہا اس پر سپاہیوں کو غصہ آیا۔ ایک نے چاقو نکالا اور اسمیر کے گلے سے دوسرے کان تک کھینچ دیا۔ میں اس کی طرف لپکی اور اسے اپنی گود میں بھر لیا اس نے خون بہنے کی حالت میں دم توڑ دیا۔ مجھ پر جنون طاری ہوگیا لیکن اپنے دو اور بچوں کو دیکھ کر میں خاموش رہی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا تیسرا بیٹا احمد اور اس کا باپ کہاں ہیں۔ میں مرنا چاہتی ہوں لیکن بوسنیائی ظالموں نے ہمیں اس "آسائش" سے محروم کردیا۔

26 سالہ یاسمین محمد ووک کے سربیائی حملے کی تاریک رات میں پہلے بچے کی ولادت ہوئی ان کا سپاہی شوہر شہر سے باہر تھا اور وہ اپنی ماں کے پاس مقیم تھیں جب تین سربیائی فوجی گھر میں گھسے ان میں سے ایک کو وہ پہچانتی بھی ہیں کیونکہ نرسنگ اسکول میں اس کی بہن ان کے ساتھ رہ چکی تھی۔

یاسمین نے بتایا کہ انہیں دوسری لڑکیوں کے ساتھ قصبے کے باہر ڈچ یو این ہیڈ کوارٹر لایا گیا وہ سب سہمی ہوئی زمین پر بیٹھی تھیں۔ سربیائی فوجی انہیں باری باری اپنے پاس بلاتے۔ انہیں ایک کونے میں لے جاکر ان کے جسم کے کپڑے اتار دیئے جاتے۔ دو نے انہیں پکڑ لیا اور تیسرے نے عصمت دری کی اس طرح چھ سپاہیوں نے یہی عمل دہرایا۔ اقوام متحدہ کے سپاہی مظلومین سے زیادہ خوف زدہ نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھتے رہے

ایک اور خوبصورت لڑکی زفرا کا بھی وہی انجام ہوا جو یاسمین کا ہوا تھا جب کہ بعض سربیاؤں نے اس سے کہا تھا کہ پوری دنیا کی نمائندگی کرنے والے یو این سپاہیوں کے سامنے وہ عصمت دری جیسے جرم کا ارتکاب نہیں کریں گے لیکن جیسے ہی وہ یو این کیمپ پہنچی ایک سربیائی نے اسے بتایا کہ اب وہ کچھ ہی لمحوں میں بہادر سربیائی فوج کے باہمت سپاہیوں سے عصمت دری کروانے کا شرف حاصل کرے گی۔ اس نے چلا کر کہا کہ یو این سپاہی ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔ یہ سن کر وہ سپاہی زور سے ہنسا اور ڈچ سپاہیوں کی طرف بڑھتے ہوئے انہیں ذلیل حرکتوں کا حکم دیا جنہوں نے بے چوں وچرا اس کی تعمیل کی۔ سربیاؤں کے لائے ہوئے دیگر مرد اور عورتیں بھی یہ انسانیت سوز منظر دیکھتی رہ گئیں۔ زفرا کا کہنا ہے کہ جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھ کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ جب سربیائی سپاہی میری آبروریزی کر رہے تھے تو مجھے کچھ بھی احساس نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ ندامت اس بات پر ہے کہ ہم نے سوچا تھا کہ اقوام متحدہ ہماری حفاظت کرے گی۔

...یاں برسنے لگیں

...وں بار مناظر

اور تین ہزار گاؤں پوری طرح تباہ ہوچکے ہیں۔ دوسری مثال چیچنیا کی ہے جہاں روسی فوجیوں نے وہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو ان کے سلاؤ برادران نے سابق یوگوسلاویہ میں کیا اور تقریباً آدھی آبادی کو بے گھر کرکے رکھ دیا ہے۔ تیسرا واقعہ کراچی میں پیش آیا جہاں متحارب سیاسی گروہ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہیں حالانکہ کراچی کا سانحہ عالمی صحافت کا موضوع نہیں بن پایا ہے۔ سیکڑوں افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں اور مسئلہ سلجھتا نظر نہیں آتا۔ چوتھا منظر الجزائر کا ہے جہاں مغربی ذرائع کے مطابق تیس ہزار افراد موت کا نشانہ بن چکے ہیں اور گاؤں کے گاؤں لوگوں سے خالی ہوگئے ہیں۔ پانچواں واقعہ کابل کا ہے جہاں کمیونسٹ نظام کے سرنگوں ہونے کے تین سال کے دوران دس ہزار افراد مارے جاچکے ہیں اور جہاں مخالفین کا سر کاٹ کر ان کے قائدین کو تحفتاً بھیجنے کی رسم عام ہوگئی ہے۔ قندھار اور غزنی میں افغان جنگجو گروہوں کے کارناموں کے دستاویزی ثبوت نیشا پور پر چنگیز خاں کے ڈھائے مظالم کی تصدیق کرتے ہیں۔ بوسنیا کے شہداء کا ماتم کرتے ہوئے ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی مسلمانوں کو ایسے ہی یا اس سے سنگین تر مظالم کا سامنا ہے۔ اس دعوے کی حمایت میں ماضی کی تاریخ کھنگالنے اور سوویت یونین میں لینن اور اسٹالن کے مظالم کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں جس میں چھ کروڑ افراد مارے گئے۔ نہ ہی ہٹلر کے گیس چیمبر اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر بمباری کے حوالے کی ضرورت ہے جس کی پچاسویں برسی چھ اگست کو منائی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے زمانہ پر نظر دوڑالینا ہی کافی ہے۔

کمبوڈیا تو آپ کو یاد ہی ہوگا جہاں سرخ فام کھمیروں نے آدھی آبادی کا صفایا کرڈالا اور ریڈ انڈین قبائل کی یاد بھی ذہن سے محو نہیں ہوگی جنہوں نے لاطینی امریکہ میں منظم قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا۔ افریقہ میں بھی موت کا وہی رقص جاری ہے خواہ وہ بیافرا ہو یا ایتھوپیا، صومالیہ ہو یا زمبابوے یا سوڈان اور روانڈا۔ وسط ایشیائی جمہوریائیں بھی اس کی زد پر ہیں۔ روانڈا کا المیہ اس لئے بھی قابل ذکر ہے کہ گذشتہ تین سال میں پوری دنیا میں اتنا خون نہیں بہایا گیا ہوگا، جتنا کہ روانڈا میں۔ اس کے باوجود اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے اپنے دورہ افریقہ کی مصروفیت کے آگے روانڈا میں ایک روز کا قیام بھی گوارہ نہ کیا۔ برونڈی میں بھی روانڈا کے ہی طرز کی صورت حال پیدا ہورہی ہے اور اس کو روکنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جارہی ہے کسی سانحہ کی طرف دنیا اس وقت متوجہ ہوتی ہے جب واقع ہوچکتا ہے گویا کہ ہمیں انتشار زدہ دنیا میں کمترین درجے کے امن و امان کے محافظ اور گورکنی کا کردار ادا کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔

شاید آپ کو ان حالات کا پوری طرح علم نہ ہو جن کے تحت بنگلہ دیش وجود میں آیا۔ میں اس وقت نوآموز نامہ نگار تھا۔ اس میں اندازے سے کہیں زیادہ افراد کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اور کشمیر میں گذشتہ پچاس سال سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے داغ بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ وہاں بھی حق خود اختیاری سے دستبردار نہ ہونے کا عزم کئے ہوئے عوام کے خلاف ایک سرکش طاقت نسل کشی کی داستان دہرا رہی ہے۔

گذشتہ پانچ سالوں میں دنیا کی نظروں کے سامنے کئی خونچکاں سانحے رونما ہوئے ہیں۔ کم از کم پانچ لاکھ افراد تاجکستان کی خانہ جنگی میں موت کا نوالہ بن گئے پھر بھی انہیں مسلم ممالک تک کی اخباری سرخیوں میں جگہ نہیں ملی۔ اسی دوران جارجیا میں دو خانہ جنگیاں انجازیا اور اجاریا میں ہوئیں جہاں کئی ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ اور ترکستان کی گیارہ سال تک جاری رہنے والی جنگ کو تو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جس کے نتیجے میں بارہ ہزار افراد ہلاک اور دس لاکھ بے گھر ہوئے اور ملک کو 5 ملین ڈالر سالانہ کا نقصان الگ سے برداشت کرنا پڑا۔ آرمینیا اور آذر بائیجان کے درمیان فوجی صف آرائی کم خوفناک نہیں تھی۔ اس جنگ میں ایک چوتھائی آذری آبادی تو اپنے ٹھکانے چھوڑ کر بھاگ گئی اور اس دوران ان میں کافی افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ گلورنو کاراباخ میں آرمینیائی مسلح فوجیوں نے اپنے آذری دشمنوں کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے رقص کیا اور دشمنوں کے قریوں پر ہلے کے دوران گرفتار شدہ نوجوانوں کو نامرد بنانے کی رسم کی تجدید کی۔

بوسنیا ہرزیگووینا کے المیے کا انتشار و ابتری کے اس پس منظر میں جائزہ لینا چاہئے۔ یہ سانحہ مہذب اور منظم و منضبط دنیا کے تمام آداب کو پس پشت ڈال دینے کے رجحان کی علامت بن گیا ہے۔ واضح رہے کہ بوسنیا یوروپ کے قلب میں واقع ہے جہاں 800 صحافی ہیں اور 30 ٹیلیویژن چینل ہیں اور اس کے علاوہ وہاں چالیس ہزار کی امن محافظ فوج بھی ہے۔

بوسنیائی المیے نے "مداخلت کا فرض" کے تصور کی پرزور حمایت کے لئے فضا ہموار کی ہے جو مداخلت کے حق کے تصور کی ضد ہے اور اس کی وضاحت اقوام متحدہ کے منشور میں کی گئی ہے۔ "مداخلت کا فرض" زیادہ وسیع اور جوکھم کو دعوت دینے والا تصور ہے جس کے تحت جہاں بھی انسانیت کو خطرہ لاحق ہو یا جنگی جرائم بڑھ رہے ہوں تمام ممالک کے لئے بشمول ہتھیار ہر ذریعے سے مداخلت کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ بنیادی خیال اس کا یہ ہے کہ اگر دنیا بوسنیا کو بچانے میں کامیاب ہوگئی تو مستقبل میں وہ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی اس جیسے واقعات کو رونما ہونے سے روک سکے گی۔

خوابوں کا جزیرہ برونئی آمریت سے جمہوریت کی طرف

جنوب مشرقی ایشیا میں واقع برونئی ایک چھوٹا سا مسلم ملک ہے جس کی کل آبادی 2 لاکھ 70 ہزار کے قریب ہے۔ یہ مختصر سی مملکت بہتوں کے لئے خوابوں کا جزیرہ ہے۔ تیل کی دولت سے مالا مال اس ملک کے تھوڑے سے باشندے کافی آسودہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ تعلیم اور علاج تو مفت ہیں ہی، برونئی کے باشندے انکم ٹیکس یا سیلز ٹیکس کے جھنجھٹوں سے بھی آزاد ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ امیر ہے۔ جو بہت زیادہ 'خوش قسمت نہیں ہیں انہیں آسان شرطوں پر مکان کی تعمیر یا کار وغیرہ خریدنے کے لئے قرض مل جاتا ہے جو اکثر معاف کردیا جاتا ہے۔ برونئی کی حکومت کسی کی قرضدار نہیں ہے اور مملکت کے پاس 30 بلین ڈالر سے زیادہ اضافی رقم موجود ہے۔

برونئی کے موجودہ سلطان حسن البولکیا ہیں جن کا خاندان گذشتہ 6 صدیوں سے یہاں حکومت کر رہا ہے۔ حسن اپنے عوام سے دور نہیں رہتے اور لوگ ان سے آسانی سے مل سکتے ہیں۔ وہ اکثر ملنے کے لئے آنے والے اپنے عوام کو قیمتی تحائف بھی دیتے ہیں۔ ان کے عوام ان سے بحیثیت مجموعی خوش ہیں۔

برونئی جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ممالک کی تنظیم آسیان کا ممبر ہے۔ لیکن دوسرے ممبر ملکوں کے برعکس یہاں برائے نام بھی جمہوریت نہیں ہے۔ آسیان کے تقریباً تمام ہی ممالک نے بتدریج اپنے عوام کو حکومت کے معاملات میں کسی نہ کسی حد تک شریک کرلیا ہے۔ اکثر ممالک میں وقت سے انتخابات ہوتے ہیں اور اپوزیشن جماعتیں حکمراں طبقہ کی پالیسیوں اور کارکردگی پر تنقیدی نظر رکھتی ہیں۔

> گذشتہ فروری میں برونئی سالیڈیریٹی نیشنل پارٹی کو اپنا اجلاس کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ حالانکہ اس سے قبل اس جماعت کے لیڈر عبداللطیف چوچو کو حقوق انسانی کے حق میں بولنے کے جرم میں حراست میں لے لیا گیا تھا اسی طرح گذشتہ سال پہلی مرتبہ گاؤں کے پردھانوں کے لئے انتخابات کرائے گئے تھے۔

لیکن برونئی میں اب بھی شخصی حکومت ہے۔ 1962ء میں برونئی پیوپلز پارٹی کی قیادت میں ایک بغاوت ہوئی تھی جسے حکومت نے کچل دیا تھا۔ اسی سال برونئی میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی تھی جس کی میعاد میں ہر دو سال پر توسیع کردی جاتی ہے۔ نتیجتاً 1962ء سے برونئی مسلسل ایمرجنسی کی حالت میں ہے۔

برونئی کے بعض باشندے شخصی حکومت سے خوش نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض نے بسا اوقات حقوق انسانی کی پامالی کے خلاف آوازیں اٹھائی ہیں۔ اسی طرح بعضوں نے سیاسی جماعتیں قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر ایسی تمام آوازوں کو سختی سے دبا دیا گیا۔ ملک میں کسی قسم کی اپوزیشن برداشت نہیں کی جاتی۔ پوری مملکت میں صرف ایک اخبار نکلتا ہے جو حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ حکومت کے اعلیٰ مناصب پر اکثر شاہی خاندان کے افراد براجمان ہیں۔ اقتدار میں غیر شاہی افراد کی شرکت برائے نام ہے۔

نہ صرف برونئی کے بعض سنجیدہ لوگ بلکہ آسیان ممالک کے دانشور بھی مملکت کے شخصی نظام کے بارے میں فکرمند ہیں۔ وہ اسے نہ صرف برونئی کے لئے بلکہ علاقے کے دوسرے ممالک کے لئے بھی خطرناک تصور کرتے ہیں۔ بعض تو یہ تک کہنے لگے ہیں کہ برونئی کے سماج میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے اور ایسے نوجوانوں میں نشہ آور دواؤں کا استعمال بھی روز افزوں ہے۔

برونئی کی ملائی نسل کے باشندوں میں بھی کافی مایوسی پائی جاتی ہے۔ پڑھے لکھے ملائیوں کو اگر مملکت کی سول سروس میں نوکری نہیں ملتی تو پھر پورے ملک میں ان کے لئے ان کی صلاحیت کے مطابق نوکری ملنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ برونئی کی تیل اور گیس کی انڈسٹری میں زیادہ تر باہر ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں۔ جنہیں نوکریاں مل جاتی ہیں وہ بھی خوش نہیں ہیں کیونکہ اقربا پروری کی وجہ سے تجارت ہو یا سروس کہیں بھی ترقی کے مواقع بہت کم ہیں جس کی وجہ سے علاوہ مزید افراد کو اس مقصد کے لئے تیار کیا جائے۔ صنعتی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ حکومتی مناصب کے لئے انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہو نہ کہ شاہی خاندان سے قربت کی بنیاد پر۔ پھر قابل اور اہل افراد اپنی بہترین کارکردگی کے لئے کھلی فضا کے متمنی ہونے کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے ملک کے نظم و نسق میں حصہ لینے کی بھی اجازت ہو۔

سلطان حسن کو غالباً اس کا احساس ہے۔ چنانچہ انہوں نے بتدریج سیاسی آزادی کا ماحول پیدا کرنا شروع بھی کردیا ہے۔ گذشتہ فروری میں برونئی سالیڈیریٹی نیشنل پارٹی کو اپنا اجلاس کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ حالانکہ اس سے قبل اس جماعت کے لیڈر عبداللطیف چوچو کو حقوق انسانی کے حق میں بولنے کے جرم میں حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اسی طرح گذشتہ سال پہلی مرتبہ گاؤں کے پردھانوں کے لئے انتخابات کرائے گئے تھے۔ مزید برآں حال ہی میں حکومت نے نامزد کردہ ایک کمیٹی کو ملک کے دستور میں ترمیم کرکے ایک پارلیمنٹ کے انعقاد کی سفارش کی ہے۔ ان تبدیلیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ برونئی بھی بہت جلد علاقے کے دوسرے ممالک کی طرح 'جمہوریت سے روشناس ہوجائے گا۔

> پوری مملکت میں صرف ایک اخبار نکلتا ہے جو حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ حکومت کے اعلیٰ مناصب پر اکثر شاہی خاندان کے افراد براجمان ہیں۔ اقتدار میں غیر شاہی افراد کی شرکت برائے نام ہے۔ برونئی کے سماج میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے اور ایسے نوجوانوں میں نشہ آور دواؤں کا استعمال بھی روز افزوں ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سلطان حسن کے اقتدار کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ سچ یہ ہے کہ علاقے کے دوسرے ممالک کے عوام کی طرح برونئی کے عوام بھی استحکام کے خواہاں ہیں۔ اس لئے یہاں بھی مغربی انداز کی جمہوریت کے بجائے بتدریج وہ جمہوریت فروغ پائے گی جو ملک اور علاقے کی روایات کے مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ برونئی کے لوگ تدریجی اصلاح چاہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں جلد بازی میں مغربی انداز کی جمہوریت بغیر کسی تیاری کے درآمد کرلینے سے عدم استحکام اور انارکی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے جو ملک کے لئے بھی اور علاقے کے دوسرے ممالک کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگی۔

اچانک شاہ فہد کو اپنی کابینہ میں ردوبدل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

2 اگست کو اچانک سعودی فرمانروا فہد بن عبدالعزیز نے اپنی کیبنٹ میں ردوبدل کرکے 16 نئے وزیروں کو شامل کرلیا۔ 6 اگست کو نئے وزراء کی حلف برداری کے موقع پر شاہ فہد نے ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اور کابینہ میں ردوبدل کے اسباب پر روشنی ڈالنے کے علاوہ مملکت کی داخلہ و خارجہ پالیسی کی بھی تشریح کی۔

شاہ فہد نے کہا کہ کچھ وزراء کو کابینہ سے اگر نکالا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان سے غلطیاں سرزد ہوئی تھیں یا وہ ناکارے تھے بلکہ اس ردوبدل کا واحد مقصد کابینہ میں نئے خون کو شامل کرنا اور دوسروں کو خدمت کا موقع دینا ہے۔

نئے وزراء کی حلف برداری کی تقریب 6 اگست کو جدہ میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں سابق وزیر تیل ھشام نذر کے علاوہ وہ دوسرے وزراء بھی شریک تھے جنہیں کسی وجہ سے نئی کابینہ میں جگہ نہیں مل سکی۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے شاہ فہد نے کہا۔ "کابینہ میں تبدیلی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں کچھ خامیاں تھیں۔ میرے خیال میں دوسرے سعودی شہریوں کو بھی (خدمت کا) موقع ملنا چاہئے"۔

اس موقع پر کابینہ کے نئے و پرانے وزراء کو مخاطب کرتے ہوئے شاہ فہد نے انہیں یقین دلایا کہ "ان کا اور ولیعہد عبداللہ بن عبدالعزیز کا رول وزراء کے ساتھ تعاون کرنا اور ان کے کام کو آسان بنانا ہوگا"۔ شاہ نے مزید کہا۔ "میں اپنے کسی بھی بھائی (وزیر) سے کسی بھی تعمیری کام کے بارے میں کسی بھی حالت میں گفتگو سے تامل یا گریز نہیں کروں گا"۔ شاہ فہد، جو خود ہی وزیراعظم بھی ہیں، نے یہ بھی کہا کہ وہ مجلس شوریٰ کے ارکان اور عام شہریوں کے ساتھ بھی گفتگو کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیں گے۔

اپنی حکومت کے فیصلے لینے کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ فہد نے کہا کہ ہر معاملے کو قرآن و سنت کے مطابق نمٹایا جائے گا۔

اسی طرح خارجہ پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ نے کہا کہ ان کا ملک ہر کسی سے، امریکہ، یوروپی ممالک، عرب ممالک اور اسلامی ملکوں سے دوستانہ تعلقات کا خواہاں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "سعودی عرب کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں چاہتا لیکن

> شاہ فہد، جو خود ہی وزیراعظم بھی ہیں، نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ مجلس شوریٰ کے ارکان اور عام شہریوں کے ساتھ بھی گفتگو کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیں گے۔ اپنی حکومت کے فیصلے لینے کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ فہد نے کہا کہ ہر معاملے کو قرآن و سنت کے مطابق نمٹایا جائے گا۔

اسی کے ساتھ اپنے کسی حق سے دستبردار ہونے کو بھی تیار نہیں ہے"۔ خارجہ پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ نے بار بار دہرایا کہ ان کا ملک عرب و اسلامی دنیا میں اتحاد کا خواہشمند ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے بار بار یہ بھی کہا کہ امریکہ و یوروپ سے خصوصی تعلقات کو ہر حال میں قائم رکھا جائے گا۔

سعودی کابینہ میں کل 27 وزراء ہیں جن میں سے 16 نئے ہیں۔ جن وزراء کو نئی کابینہ میں جگہ نہیں مل سکی ان میں سب سے نمایاں ھشام نذر ہیں جو ذکی یمنی کی معزولی کے بعد سے مسلسل مملکت کے وزیر تیل چلے آرہے تھے۔ نئے وزیر تیل علی ابن ابراہیم النعیمی ہوں گے جو اس سے قبل مملکت کی سرکاری تیل کمپنی کے صدر تھے۔

1993ء میں شاہ فہد نے دستور قسم کی ایک دستاویز جاری کی تھی جس کے مطابق حکومت کو 1995ء میں تحلیل کرنا تھا۔ ممکن ہے کابینہ میں نئی تبدیلی کی وجہ بھی یہی ہو۔

ٹاڈا کے تحت راجستھان میں مسلمانوں اور سکھوں پر مظالم

پولیس کی جھوٹی داستان بے نقاب

حال ہی میں راجستھان حکومت نے اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے تین افراد کے خلاف ٹاڈا کے تحت عائد کئے گئے مقدمات ایک اعلی سطحی تفتیش کے بعد واپس لے لئے ہیں۔ لیکن حکومت کے اس اقدام سے بعض سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ کس طرح اقلیتی فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد کو پولیس تنگ کرتی اور انہیں جھوٹے مقدمات میں پھنسادیتی ہے۔ دوم یہ کہ کیا قصوروار پولیس افسران کو بھی سزا ملے گی؟

واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ گذشتہ مئی میں راجستھان پولیس کو اطلاع ملی کہ سرحد پار سے آئی ایس آئی کے ایجنٹ اسلحہ اور دوسری غیر قانونی چیزیں لے کر آنے والے ہیں۔ پولیس نے بارڈر سکیورٹی فورس کی مدد سے بیکانیر کے پاس ان مجرموں کو چیلنج کیا۔ دونوں طرف سے فائرنگ کے بعد تین افراد گرفتار کئے گئے جن کے نام گورنام سنگھ ، مولوی احمد علی اور محمد ہیں۔ یہ تینوں افراد بیکانیر ہی کے رہنے والے ہیں۔ پولیس نے ان آئی ایس آئی ایجنٹوں کے پاس سے 2 اے۔ کے 56 ، ایک اے۔ کے 47 رائفلیں، ایک 32 بور کا ریوالور اور چار پستول کے علاوہ کافی مقدار میں چرس اور ہیروئن بھی برآمد کی تھی۔ جس پولیس مقابلے کے بعد مذکورہ ملزمین گرفتار کئے گئے تھے وہ پولیس کے مطابق 4 اور 5 مئی کی رات کو ہوا تھا۔

تفتیش کے دوران گورنام سنگھ نے بتایا کہ اس جرم میں اس کے ساتھ مولوی احمد علی شریک ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ سیدھے اپنے گھر جائے گا جو کھجولا میں واقع ہے۔ یہ جگہ اس مقام سے جہاں گورنام پولیس مقابلے کے بعد گرفتار ہوا تھا، دو سو کلو میٹر دور واقع ہے۔ پولیس کے مطابق اس کے جوانوں نے مولوی احمد علی کے گھر پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کرلیا اور اس کے پاس سے ایک اے۔ کے 56، کچھ کارتوس، ایک پستول اور بھاری مقدار میں نشہ آور اشیاء برآمد کیں۔

تفتیش کے دوران مولوی احمد علی نے اعتراف کیا کہ فرار کے دوران اس نے نصف کے قریب مال اور ہتھیار پوگل میں اپنے دوست محمد کے مکان میں چھپادیا تھا۔ پولیس نے چھاپہ مار کر محمد کو گرفتار کرنے کے علاوہ 26 کلو چرس، ایک اے۔ کے 47، 10 کارتوس، ایک ریوالور اور تین پسٹل برآمد کرلئے۔

گڑھے ہوئے جھوٹ میں بہت ہی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ مثلاً پولیس رپورٹ میں یہ واضح نہیں کیا گیا ہے کہ آخر مولوی احمد علی کس طرح ایک رات میں یا چند گھنٹوں میں بیکانیر سے 2 سو کلو میٹر کا سفر طے کرکے کھجولا میں واقع اپنے گھر پہنچ گیا؟ نیز یہ کہ فرار کے دوران وہ کس طرح تقریباً 80 کلو گرام کا وزن لے کر چلتا رہا؟ پھر یہ کہ پولیس نے اسے راستے ہی میں کہیں گرفتار کیوں نہیں کیا؟ یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ آخر مولوی احمد علی نے یہ بھاری وزن پھینک کیوں نہیں دیا یا اس نے اسے اپنے گھر میں رکھنے کے بجائے کہیں اور کیوں نہیں چھپادیا؟

یہاں یہ جاننا بھی دلچسپ ہوگا کہ آخر کس طرح پولیس کی یہ جھوٹی کہانی طشت از بام ہوسکی۔ گورنام کی گرفتاری کے بعد اس کی ماں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی کہ اس کے بیٹے کو 2 مئی کو گھر سے اٹھالیا گیا تھا۔ اس نے یہ جاننا چاہا کہ اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے اور اس پر کیا الزامات عائد کئے گئے ہیں؟

> احتجاج کرنے والے بعض سوالات اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ تین معصوموں کو پھنسانے کے لئے پولیس کے پاس بھاری تعداد میں غیر قانونی اسلحہ اور نشہ آور اشیا کہاں سے آئیں؟ پھر وہ پولیس اور بی ایس ایف افسران کون تھے جنہوں نے یہ جھوٹی کہانی گھڑی تھی؟ اور ان کے خلاف کیا کارروائی کی جارہی ہے؟ نیز یہ کہ اس جھوٹی کہانی کا مقصد کیا تھا؟

اس رپورٹ کے بعد بیکانیر کے ڈی آئی جی کو شبہ ہوا اور انہوں نے تفتیش کرکے پولیس ہیڈکوارٹر کو اطلاع دی کہ 4 اور 5 مئی کا واقعہ پولیس کا گھڑا ہوا ہے۔ چونکہ بیکانیر کے ایس پی اور ڈی آئی جی کی رپورٹوں میں واضح اختلاف تھا اس لئے پولیس ہیڈکوارٹر نے ایک اعلی سطحی تفتیش کا حکم دیا۔

دریں اثنا مقامی کانگریسی ایم ایل اے بھیم سین چودھری کی قیادت میں عوام نے احتجاج شروع کردیا۔ اس احتجاج کا بھی اثر پڑا اور پولیس نے تفتیش تیز کردی۔ اس تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ تینوں مذکورہ افراد کے خلاف پولیس نے مڈبھیڑ کی کہانی نہ صرف گھڑی تھی بلکہ ان معصوموں کو غلط طریقے سے پھنسایا گیا تھا۔ کیونکہ کم از کم گورنام سنگھ اور مولوی احمد علی 2 مئی ہی کو گرفتار کرلئے گئے تھے۔ پولیس نے 23 جولائی کو اجمیر میں واقع ٹاڈا کورٹ کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ مذکورہ تینوں ملزموں کے خلاف کافی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف قائم کیا گیا مقدمہ واپس لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کورٹ نے گورنام سنگھ، مولوی احمد علی اور محمد کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ تینوں افراد رہا کردئے گئے۔ لیکن مقامی لوگ ایم ایل اے بھیم سین چودھری کی قیادت میں اب بھی احتجاج کررہے ہیں۔ چودھری نے سپریم کورٹ میں ایک رٹ داخل کرکے سی بی آئی کے ذریعہ تفتیش کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے قومی انسانی حقوق کمیشن سے بھی اس واقعے کی جانچ کرانے کی درخواست کی۔

بیکانیر کے احتجاج کرنے والے بعض اہم سوالات اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ تین معصوموں کو پھنسانے کے لئے پولیس کے پاس بھاری تعداد یا مقدار میں غیر قانونی اسلحہ اور نشہ آور اشیاء کہاں سے آئیں؟ پھر وہ پولیس اور بی ایس ایف افسران کون تھے جنہوں نے یہ جھوٹی کہانی گھڑی تھی اور ان کے خلاف کیا کارروائی کی جارہی ہے؟ نیز یہ کہ اس ساری جھوٹی کہانی کا مقصد کیا تھا؟ عوام یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اس پورے واقعے میں راجستھان کے ایک وزیر دیوی سنگھ بھاٹی اور پنجاب کے ایک اکالی لیڈر کا رول کیا رہا ہے؟ عوام کو شبہ ہے کہ اس جھوٹی پولیس کہانی میں ان لوگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

مذکورہ واقعے کے بعد بیکانیر کے عوام بعض دوسرے افراد کی گرفتاری کے خلاف بھی آواز اٹھانے لگے ہیں خاص طور سے ان گرفتار شدگان کی رہائی کے حق میں جنہیں مذکورہ واقعے میں ملوث پولیس و بی ایس ایف افسران نے پولیس مڈبھیڑ کے بعد گرفتار کیا ہے۔ ایم ایل اے چودھری اور دوسرے احتجاجیوں کا کہنا ہے کہ مئی پولیس مڈبھیڑ سے پہلے بھی ایک ایسی ہی جھوٹی مڈبھیڑ میں جو پولیس کے بقول اپریل میں ہوئی تھی، تین افراد گرفتار کئے گئے تھے۔ یہ تینوں بھی بیکانیر کے رہنے والے ہیں اور ان کے نام نور محمد، نتھو خاں اور محبوب ہیں۔ بیکانیر کے عوام کو یقین ہے کہ یہ تینوں بھی معصوم ہیں اور گذشتہ اپریل سے ٹاڈا کے تحت اجمیر جیل میں بند ہیں۔ عوام انہیں اس لئے معصوم بتاتے ہیں کہ انہیں بھی انہیں افسران نے پولیس مڈبھیڑ کے بعد گرفتار کیا تھا جنہوں نے مئی والی پولیس مڈبھیڑ کی کہانی گھڑی تھی۔ اس کہانی میں بھی مذکورہ بالا کہانی کی مانند بے شمار جھول ہیں اور پہلی نظر ہی میں یہ کہانی فرضی معلوم ہونے لگتی ہے۔

اس برائی پر قابو نہیں پایا گیا تو ہندوستان تھائی لینڈ بن جائے گا

ہندوستان میں طوائفوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے انتہائی تشویش ناک صورت حال پیدا کردی ہے۔ اس صورت حال سے بہت سے سنگین سوالات کھڑے ہوگئے ہیں۔ اگر یہ صورت حال یوں ہی برقرار رہی تو ہندوستانی معاشرہ تباہی و بربادی کے جس اندھے غار میں داخل ہوجائے گا وہاں سے اس کا نکال پانا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گا اور ہندوستان رفتہ رفتہ تھائی لینڈ اور فلپینس بن جائے گا۔

سینٹرل سوشل ویلفیئر بورڈ کی رپورٹ پر ایک نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان بھی تھائی لینڈ اور فلپینس کے نقش قدم پر چل پڑا ہے۔ ہندوستان میں بیس لاکھ سے زائد طوائفیں ہیں۔ جن میں پندرہ فیصد نابالغ بچے ہیں۔ صرف بمبئی میں نابالغ جسم فروشوں کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ یہ تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ بچوں کے ساتھ بڑوں کی بدفعلی اور غیر فطری حرکات ہیں۔ ایسے معاملات بھی اب کثرت سے منظر عام پر آنے لگے ہیں جن میں باپ کے ذریعے بیٹیوں کی عصمت دری ہوتی ہے۔ یہ برائی بھی جسم فروشوں کی تعداد میں اضافہ کا ایک سبب بن رہی ہے۔ ادھر اس کاروبار میں بے پناہ دولت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی طرف مائل ہورہے ہیں۔ زنانہ طوائفوں کے ساتھ ساتھ مردانہ طوائفوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ بڑے ہوٹلوں اور پاش کالونیوں میں لڑکوں کا مطالبہ شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ بالخصوص بمبئی اور دہلی میں لڑکوں کو زبردستی اس قبیح تجارت کی نذر کیا جارہا ہے۔ اس برائی پر پابندی لگانے کے لئے انسانی فلاح و بہبود کی مرکزی وزارت نے ایک مرکزی مشاورتی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ ویلفیئر بورڈ نے اپنی رپورٹ پیش کرنے سے قبل ہندوستان کے چھ بڑے شہروں کا سروے کیا تھا جن میں 70 ہزار طوائفیں تھیں۔ یہ سروے 92-1991ء ہی میں کیا گیا تھا۔ اب اس تعداد میں کتنا اضافہ ہوگیا ہوگا، اندازہ لگایا جاسکتا ہے

رپورٹ کے مطابق اس دھندے میں شامل ہونے والوں میں پندرہ فیصد کی عمر 16 سال سے نیچے اور 25 فیصد کی 16 سے 18 کے درمیان ہوتی ہے۔

غربت نے کوٹھے پر پہنچادیا

نوجوان لڑکیوں کی اس دھندے میں شمولیت کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں پیسوں کا عمل دخل ہوتا ہے جب کھانے اور کپڑے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تو بیشتر لڑکیاں اس گندگی میں کود جاتی ہیں۔ کچھ معاملات میں اڈوں کے مالکوں کے ذریعہ کم عمر لڑکیوں کا اغوا کرکے انہیں جبراً اس پیشے میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو اپنے معاشرے کی ریت رواجوں کے پیش نظر بھی والدین بچیوں کو ادھر جھونک دیتے ہیں۔ بہت سی ماؤں کا کہنا ہے کہ چونکہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اس لئے مجبوراً انہوں نے ایسا کیا۔

بیس سال سے کم عمر کی زیادہ تر لڑکیاں فلمیں دیکھ کر ہیروئن بننے کے چکر میں ایسے گروہوں کے ہاتھوں میں پھنس جاتی ہیں جو لڑکیوں کو پھنسا کر چکلہ خانوں کے ہاتھوں بیچنے کا دھندہ کرتے ہیں، وہ لوگ لڑکیوں کی عریاں تصاویر کھینچ کر انہیں بلیک میل کرتے ہیں اور اڈوں پر بیچ دیتے ہیں۔ کچھ دنوں تک ایسی لڑکیاں اپنی عصمت کسی طرح بچاتی ہیں لیکن پھر ان کے نزدیک اس پیشے کو اپنا لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ کچھ لڑکیاں اپنے عاشقوں کے ہاتھوں عزت لٹاکر اس پیشے میں داخل ہوجاتی ہیں۔ بہت سی لڑکیاں جو چھوٹے دیہاتوں سے شہروں میں آتی ہیں وہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے اس پیشے میں کود جاتی ہیں۔ کیونکہ طوائفوں کی اکثریت ایسی لڑکیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور تیزی سے اپنی آمدنی بڑھانا چاہتی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ خادمائیں بھی اس دھندے میں پھنس جاتی ہیں جو صبح سے لے کر رات تک مختلف گھروں میں کام کرتی ہیں اور اپنے مالکوں کی ہوس کا شکار بن جاتی ہیں۔

غرضیکہ بہت ساری وجوہات ہیں جسم فروشی کی۔ اور ہندوستان میں یہ ساری وجوہات اپنی پوری "آب و تاب" کے ساتھ موجود ہیں، مغرب کی نقالی بھی ایک وجہ ہے۔ بالخصوص شہروں میں مخرب اخلاق ٹی وی پروگراموں اور فلموں کے نتیجے میں یہ تباہ کن رجحان تیزی سے پرورش پارہا ہے۔ اگر مذکورہ وجوہات پر قابو نہیں پایا گیا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے ملک کا شمار بھی تھائی لینڈ اور فلپینس کی صف میں ہونے لگے گا۔

مسیحیت کے قلب "مقدس روم" میں تیس ہزار مربع میٹر پر محیط

یوروپ کی سب سے بڑی مسجد کی تعمیر اور اسلامی مرکز کے قیام سے مغرب لرزہ براندام

رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام اٹلی کے دارالحکومت میں وہاں کے صدر مملکت اور دیگر عمائدین کی موجودگی میں مرد اور عورتوں دونوں کے لئے الگ الگ مسجد، مدرسہ اور لائبریری پر مشتمل اسلامی مرکز کا قیام اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے میدان میں سعودی حکومت کی مساعی جمیلہ کی زندہ تعبیر ہے۔ تیس ہزار مربع میٹر کے رقبہ پر محیط یہ مرکز یوروپ میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے جس کا مقصد سیاسی مفادات، یا منفعت سے بالاتر ہوکر یوروپ کے مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے روشناس کرانا اور اتباع دین کی سطح پر مسیحیت اور اسلام کے درمیان قربت پیدا کرنا ہے تاہم اٹلی میں مسجد کی مخالفت کے پس پشت علاقائی تعصب کی کارفرمائی

مسیحیت کے قلب میں یوروپ کی سب سے بڑی مسجد کے افتتاح سے اطالوی شہریوں کے جذبات بری طرح بھڑک اٹھے ہیں اور ہر چند کہ مسجد کی تعمیر کو پوپ کی منظوری حاصل ہے اور اس اقدام کو عیسائیت اور اسلام کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کی کوشش سے تعبیر کیا جارہا ہے مسجد نے مسیحیت کے تاریخی مرکز کی ذہنیت کو خاص انداز سے متاثر کیا ہے اور وہ بھی ایسے ملک میں جسے اب اس بات کا احساس ہو چلا ہے کہ اس کے دامن میں کئی لاکھ مسلم تارکین وطن پل رہے ہیں۔ مسجد کے افتتاح کے موقع پر مسلم لیڈروں نے اس تقریب کو کثیر لسانی اور کثیر نسلی پروگراموں کے ذریعے مذہبی رواداری کے یادگار مظاہرہ کی شکل دینی چاہی تھی۔ اسی لئے انہوں نے دیگر مذاہب کی اہم شخصیتوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ نیز یہ کہ پوپ نے اسلامی ملکوں میں بھی اسی رواداری کے مظاہرہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کرکے اگر قیام مسجد کو اپنی دعاؤں سے نہیں نوازا تھا تو اس کی منظوری ضرور دی تھی۔

ابھی افتتاح کی خوشی اٹلی کے مسلمان منا ہی رہے تھے کہ اٹلی کے امیر ترین شہر میلان کی تارکین وطن مخالف پارٹی ناردرن لیگ اور کیتھولک کونسل نے اعلان کردیا کہ مقدس روم میں مسجد کی تعمیر اور اس کا افتتاح ایسا واقعہ ہے جس نے کیتھولک عقیدے اور روم کے تقدس کو پامال کیا ہے۔ اسلامی انتہا پسندی کا شور مچاکر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا تازہ ترین مظاہرہ اطالوی پارلیمنٹ کی 31 سالہ اسپیکر محترمہ پیوتی کی طرف سے مسجد کی افتتاحی تقریب کا بائیکاٹ ہے جو اس اندیشے کے تحت کیا گیا کہ اٹلی میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بنیاد پرستی کے خطرات کا سبب بنے گی۔ حال ہی میں انہوں نے "لپانٹو کلچرل سینٹر" کے زیر اہتمام عثمانیوں کی بحری طاقت توڑنے والی سولہویں صدی کی جنگ کی یاد میں منعقد دعائیہ مجلس میں شرکت کی مراقش نے اس عمل پر سرکاری سطح پر احتجاج کیا تو موصوفہ نے شوخی سے جواب دیا کہ یہ سب کچھ انہوں نے ذاتی حیثیت میں کیا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اور کیا کیا ذاتی حیثیت میں کریں گی۔ مسیحیت کی اس نوخیز شیدائی کی مذہبی نارواداری کے رویے سے اطالوی مسلمانوں کو خصوصاً اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو عموماً صدمہ تو پہنچا ہی ہے خود اٹلی کے اندر صحافی حلقوں نے شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے۔

مسلمانوں کی قابل ذکر آبادی والے یوروپی ممالک میں مساجد کی تعمیر اور اسلامی مراکز کا قیام کوئی نئی بات نہیں ہے اس کوشش کی ایک روشن مثال پیرس کی مسجد ہے جس کا افتتاح 1976ء میں 15 جولائی کو قومی یوم دعوت کے موقع پر فرانسیسی صدر گستون ڈومرگو اور مراقش کے سلطان مولے یوسف کے ہاتھوں ہوا تھا جب کہ آج کی طرح اسلام کو فرانس میں دوسرے بڑے مذہب کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران استنبول کے خلیفہ سلطان نے مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مادر وطن کے تین مسلمان سپاہیوں کی وفاداری کی تعریف کرتے ہوئے پرشیا اور آسٹریا کی حمایت میں فرانس اور برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ سلطان کے حکم کی تعمیل تو انہوں نے نہ کی لیکن وہ بڑی جانبازی سے لڑے اور وہ فوج کے لئے بنائی گئی عارضی مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے۔ فرانسیسی صفوں میں ہلاک ہونے والے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں میں دو تہائی مسلمان تھے۔

اگرچہ پیرس کی مسجد 18-1914ء کے قتل عام کے بعد بنائی گئی اس کا منصوبہ انیسویں صدی میں ہی وجود میں آچکا تھا جب شمالی افریقہ میں فرانسیسی اقتدار کا پھیلاؤ ہوا۔ اس کے بعد اسلام سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا خیال حکومت فرانس کو اس وقت آیا جب ریاست کو چرچ سے الگ کرنے کے سلسلے میں 1905ء کے قانون کے معاملے پر اس کے تعلقات حکومت سے کشیدہ ہوگئے تھے۔ اس سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز بات یہ ہے کہ مراقش میں تعینات فرانسیسی ریزیڈنٹ جنرل مارشل لاؤٹے نے مسجد کی تعمیر کے آغاز کے موقع پر کیتھولک باشندوں کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے وسیع آفاقیت پسندانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ جو مینار آپ بنانے جارہے ہیں جارڈن کے اوپر چھائے آسمان تک ایک اور دعا کو لے جانے کا ذریعہ بنے گا اور نائر ڈیم کے کیتھولک میناروں کو ان سے کوئی حسد نہیں ہوگا۔ نائرے ڈیم سے کار سے چند منٹ کی مسافت پر جارڈن میں یہ مسجد ہسپانوی اور مراقشی فن تعمیر کے حسین امتزاج کا نمونہ پیش کررہی ہے۔

برطانیہ اور دیگر ممالک میں بھی مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے عقیدتمندوں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ لیکن اٹلی میں مسلمانوں کے لئے لوگوں کے دلوں میں ابھی اتنی گنجائش پیدا نہیں ہوئی تھی اور اب جبکہ بیس سال کی کوششوں اور مذاکرات کے بعد میلان میں یہ مسجد بنی ہے تو اس پر مختلف صورتوں میں رد عمل سامنے آرہا ہے۔ اٹلی میں مسلمانوں کی کل تعداد ساڑھے چھ لاکھ ہے جس میں سے نوے ہزار صرف روم میں آباد ہیں ان کے پاس مسجد کی تعمیر کا پورا جواز موجود ہے پھر بھی انہیں اس کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ پہلے تو محل وقوع پر ویٹی کن کو اعتراض تھا پھر یہ شرط رکھی گئی کہ مسجد کے مینار ایک مخصوص بلندی تک ہی لے جائے جائیں تاکہ سینٹ پال کے کلیسا کے گنبد سے آنکھ نہ ملا سکیں گویا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دے کر مسلمانوں پر احسان عظیم کیا جارہا تھا
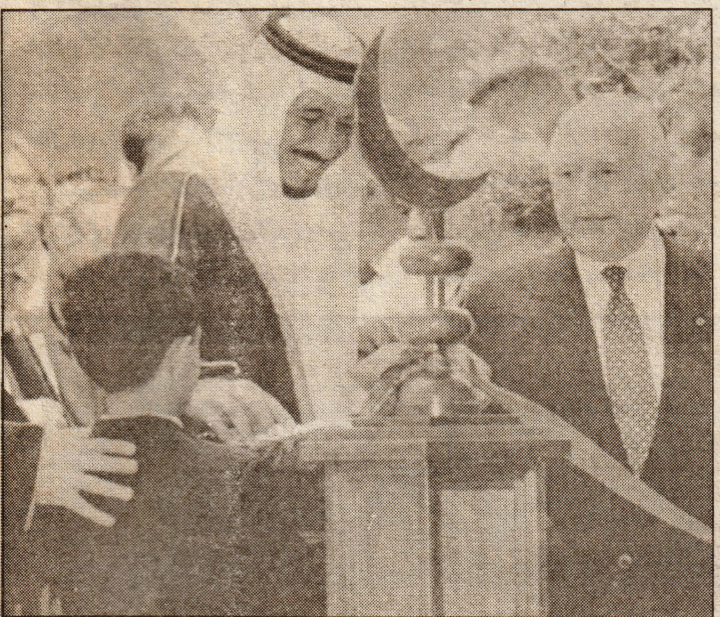
غور کیا جائے تو اٹلی میں اسلام دشمنی کی بنیادی وجہ وہاں کی ناردرن لیگ کی تنگ نظری ہے جو مسلمان تو کجا علاقائی تعصب کے آگے جنوبی اٹلی کے باشندوں کا وجود بھی گوارا نہیں کرسکتی جو شمالی علاقے میں تلاش معاش کے لئے آئے تھے۔ خوف و ہراس کی فضا پیدا کرکے اس سے فائدہ اٹھانا اس لیگ کا عام شیوہ ہے اور اسی فسطائی حکمت عملی کے سہارے وہ اب تک زندہ ہے۔

بقیہ: راؤ کی قیادت کو

پوار نے بھی چوان کو اس تقریب میں شرکت کرنے سے منع کیا تھا۔ ریاستی کانگریس کی جانب سے ایک ہدایت جاری ہوئی تھی۔ لیکن چوان نے ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تقریب میں شرکت کی اور وزیر اعلی منوہر جوشی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ منوہر جوشی کی اہلیہ نے چوان کی اہلیہ کا ہار پہنا کر خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر جوشی نے پوار پر طنزیہ انداز میں حملہ کیا اور چوان کے بارے میں کہا کہ یہ واحد لیڈر ہیں جنہوں نے اپنے ساتھیوں کو کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ آزاد کا کہنا ہے کہ ایسے بہت سے کانگریسی وزیر ہیں جن کا جسم کانگریس میں ہے لیکن روح حزب اختلاف میں ہے۔ چوان نے اس سے قبل احمد نگر اور دہلی میں اسی قسم کی تقریب میں شرکت کی تھی۔

ایس بی چوان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ راؤ کے قریبی ہیں۔ گویا آزاد نے چوان پر نہیں بالواسطہ طور پر راؤ پر حملہ کیا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے جعفر شریف کے ساتھ وزیر اعظم کی وہ اپیل ٹھکرا دی تھی جس میں ان دونوں وزراء سے وزارت سے استعفی دے کر پارٹی تنظیم کی ذمہ داری سنبھالنے کی اپیل کی تھی۔ اس موقع پر جعفر شریف اور آزاد نے صاف صاف انکار کردیا تھا۔ جعفر شریف کا معاملہ تو کافی آگے بڑھ گیا تھا جس پر انہوں نے سلجھانے والے بیانات دے کر معاملے کو رفع دفع کیا۔

ادھر شرد پوار کی معافی نے بھی پارٹی ہائی کمان کی الجھنوں میں اضافہ کردیا ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ راؤ سے مشورہ کرکے ہی انہوں نے معافی مانگی ہے لیکن زیادہ تر لوگوں کا خیال اس کے برعکس ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے راؤ کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے لئے ایسا قدم اٹھایا ہے۔ کیونکہ ابھی چند دن قبل ہی بریلی میں راؤ نے بابری مسجد انہدام کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ مرکزی وزیر جگن ناتھ مشرا نے پوار کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ راؤ پر اس کی ذمہ داری نہیں آتی۔ بی جے پی نے انہیں دھوکہ دیا تھا اس لئے پوار کا معافی مانگنا غلط ہے۔

گویا کانگریس میں اس وقت کئی ایسے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جنہوں نے نرسمہا راؤ کی قیادت کو بالواسطہ طور پر چیلنج کردیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عام انتخابات سے قبل راؤ ان مسائل سے کیسے نبرد آزما ہوتے ہیں۔

یہ جنگ سرب درندوں کی آخری شکست تک جاری رہنی چاہئے

اگر نام نہاد عظیم طاقتیں سچ کے شانہ بہ شانہ کھڑی نہیں ہوسکتیں تو دوسرے لوگ میدان میں آئیں

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں۔

بربریت کی ایک معمولی شکست

مندرجہ بالا عنوان سے معاصر انگریزی اخبار "دی ایشین ایج" جو بہ یک وقت لندن، بمبئی، دلی اور کلکتہ سے شائع ہوتا ہے، نے اپنی 7 اگست 1995ء کی اشاعت میں ایک اداریہ تحریر کیا ہے جس سے سربوں کی بربریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اداریہ حال ہی میں کروٹ عیسائیوں کے ہاتھوں بعض محاذوں پر سربوں کی شکست کے بعد لکھا گیا تھا۔ قارئین کے استفادے کے لئے اس اداریے کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

اس اداریے کی ابتدائی سطروں کا مطالعہ ممکن ہے آپ کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہو۔ خدا جانتا ہے کہ اس اداریے کو تحریر کرنا ہمارے لئے آسان نہ تھا۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ ہم اس دہشت کے بارے میں خود کو یاد دہانی کراتے رہیں جس سے بوسنیا کی المناک سرزمین دوچار ہے خاص طور سے ایسے وقت جب نوع بہ نوع واقعات کا ظہور جاری ہے۔ یہاں بعض ان مظالم کی ایک مختصر، بہت ہی مختصر، فہرست پیش کی جارہی ہے جن کا ارتکاب درندوں نے اس "امن پسند" اقوام متحدہ کے زیر نگرانی کیا ہے جس کے سرپرست واشنگٹن، ماسکو، لندن اور پیرس میں بیٹھے ہیں اور جو اتفاق سے حقوق انسانی کے عظیم چیمپئن تصور کئے جاتے ہیں۔ سربوں کے Concentration کیمپوں میں مسلم بچوں کو اپنے باپوں کے فوطے چبانے پر مجبور کیا گیا ہے۔ مسلم عورتوں کو مجبور کیا گیا ہے کہ اپنے بچوں کی کٹی ہوئی گردنوں سے بہتے ہوئے خون کو نوش کریں۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے نکال لی گئی ہیں اور ناکیں کاٹ دی گئی ہیں۔ مسلم عورتوں کے ساتھ جبری زنا اس قدر عام اور اب ایک ایسی معمول کی بات ہے کہ (نامہ نگاروں کے لئے) اب یہ کوئی قابل توجہ بات نہیں رہی۔ نامہ نگار اور فوٹو گرافر بوسنیا سے زخمی روح کے ساتھ واپس آچکے ہیں۔ لیکن صدر بل کلنٹن، وزیر اعظم جان میجر اور سابق کامریڈ بورس یلتسن، جب بھی سرب درندوں کو کچھ ہوتا ہے تو بڑے فکرمند ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ان لیڈران کو کافی تشویش ہے کہ جنگ وسیع ہو جائے گی اگر ان "بیچارے سربوں" کو کچھ نقصان ہوا تو انہیں کافی تکلیف پہنچتی ہے۔

سربوں کے کیمپوں میں مسلم بچوں کو اپنے باپوں کے فوطے چبانے پر مجبور کیا گیا ہے۔ مسلم عورتوں کو مجبور کیا گیا ہے کہ اپنے بچوں کی کٹی ہوئی گردنوں سے بہتے ہوئے خون کو نوش کریں۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے نکال لی گئی ہیں اور ناکیں کاٹ دی گئی ہیں۔

صرف ایک اور ایک ہی پیغام ہے جو غیر یوروپی اور غیر امریکی دنیا سے نمودار ہو رہا ہے۔ یعنی جنگ کے دائرے کو اس وقت تک وسیع ہونے دو جب تک کہ سرب کہے جانے والے مجرموں کو آخری شکست نہیں ہو جاتی۔ یہ وہ پیغام ہے جو امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے اپنے حالیہ دورہ چین و مشرقی ایشیا کے دوران واضح انداز میں سنا ہے۔ خاص طور سے مسلم ممالک، برونئی، انڈونیشیا اور سب سے بڑھ کر ملیشیا نے دو ٹوک انداز میں امریکہ سے کہہ دیا ہے کہ وہ اس کی پالیسیوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کا ہر جواب شرمناک حد تک راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف تھا۔

انسانی حقوق کے عظیم علمبردار جناب کرسٹوفر کو معلوم ہونا چاہئے کہ سربرینیکا میں بھی بوسنیائی مسلمانوں کو اقوام متحدہ کی ان فوجوں کی موجودگی میں ذبح کیا گیا۔ اگر نسل کشی کی پیٹھ تھپتھپانا امریکہ کے نئے عالمی نظام کی فلسفیانہ بنیاد ہے تو دنیا اسے قبول کرنے والی نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ، یقینی طور پر انتہائی باخبر امریکی وزارت خارجہ، اس طوفان سے بے خبر ہے جو خود اس نے بپا کیا ہے یا اس جذباتی ہیجان کے نتائج کا اسے احساس نہیں ہے۔ 1980ء میں ایران نے امریکہ کو شیطان عظیم سے تعبیر کیا تھا۔ اگر اس وقت اسے ماننے والے صرف چند لوگ تھے تو آج لاکھوں ایسے ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں چاہے وہ اپنے احساسات کو عملی جامہ پہنانے کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

مغرب کا ہر لبرل شخص صدر بل کلنٹن کی پالیسیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایک سپر پاور کے پاس ایسا لیڈر ہونا چاہئے جو ایک واضح موقف اختیار کرنے سے خوف نہ کھائے۔ اگر وہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ صرف خود کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ اس کے اس عمل یا بے عملی سے لاکھوں دوسرے افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ امریکی وزارت خارجہ و دفاع کے کرتا دھرتا لوگوں کے ذہنوں میں یہ نقطہ نظر کام کر رہا ہو کہ بہتر پالیسی یہ ہے کہ کروشیا اور مسلمانوں کی فتح کے لئے حالات پیدا کئے جائیں۔ لیکن جس انداز سے اسے کیا جارہا ہے اگر واقعی ایسا ہو رہا ہے تو وہ مغرب کے حق میں مفید نہیں ہے بلکہ الٹے نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔ اگر کروشیا کے باشندے اور مسلمان اپنا دفاع یا حفاظت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو کوئی بھی اس کے لئے واشنگٹن کا شکر گزار نہ ہوگا۔ تہران اور کوالالمپور ان لوگوں کے شکریے کے حقدار قرار پائیں گے جو سربوں کی درندگی کو اب ایک لمحے کو بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ کروشیا کا کامیاب جوابی حملہ اور اس کا بوسنیائی مسلم فوج سے بڑھ جانا اس امر کا پہلا حقیقی اشارہ ہے کہ اب تک یک طرفہ بہنے والی جنگ آئندہ ایک طرفہ نہیں رہے گی۔

کروشیا کے عیسائیوں اور بوسنیا کے مسلمانوں نے ایک انتہائی اہم بات کو ثابت کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں ہے بلکہ یہ جنگ نسل پرست درندوں کے خلاف ہے۔ یہ ایک اہم حقیقت ہے جس کی اہمیت وقتی اور عارضی نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت بھی ان تصورات کے لئے اہم ہوگی جو اس خوفناک المیے کی تاریخ لکھے جانے کے وقت تخلیق کئے جائیں گے۔ دنیا کو مزید فرقہ وارانہ جنگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

کروشیا کے عیسائیوں اور بوسنیا کے مسلمانوں کو اب تہذیب کے ایک دوسرے اصول کا بھی مظاہرہ کرنا چاہئے۔ وہ یہ کہ فتح شدہ علاقوں میں کسی قسم کے مظالم نہ ڈھائے جائیں۔ انسان یا خدا کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون تشدد کی اجازت نہیں دیتا خاص طور سے معصوموں کے خلاف۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ ان درندوں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے سربوں کی طرف سے "سپاہی" یا "فوجی" کا بھیس اختیار کر لیا ہے اور اگر نام نہاد عظیم طاقتیں سچ کے شانہ بہ شانہ کھڑی نہیں ہوسکتیں تو دوسرے کھڑے ہوں گے۔

جب تک ان بوسنیائی مظلوموں کو انصاف نہیں مل جاتا درندوں کے خلاف جنگ جاری رہنی چاہئے

معذرت اور تصحیح

گذشتہ شمارے میں صفحہ نمبر 7 پر پاکستان کی ایک ظالمانہ رسم "قرآن سے شادی" سے متعلق ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جو اس صفحہ پر نامکمل تھی۔ مگر غلطی سے اس کا بقیہ دوسری جگہ پیسٹ ہونے سے رہ گیا۔ جسے ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس غلطی کی بنا پر قارئین کو جو پریشانی ہوئی اس کے لئے ہم معذرت خواں ہیں۔ (ایڈیٹر)

بقیہ: قرآن سے شادی

اس ظالمانہ رسم سے جہاں بے شمار لڑکیاں چلتی پھرتی لاشیں بن جاتی ہیں وہیں بعض اوقات اس ناانصافی کے رد عمل میں برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ اس قرآن کی شادی کے حوالے سے ایک ایسا واقعہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ ایک بدبخت نے اپنی بیٹی کی شادی قرآن سے کرادی۔ بیٹی قرآن سے نکاح پر حق سے دستبرداری کے وعدہ کا پاس نہ رکھ سکی اور اس کے اولاد ہوگئی تو باپ اور بھائی اس کے قتل کے لئے لپکے تو اس لڑکی نے یہ کہہ کر ان کو لاجواب کر دیا کہ "تم نے میرا نکاح قرآن سے کروایا۔ میرا شوہر قرآن ہے۔ اس کی اولاد کو قتل کروگے تو قرآن کے غیظ و غضب سے نہیں بچ سکوگے"۔ باپ اور بھائی قرآن کی مار سے خوف زدہ ہوگئے، انہوں نے سیانوں سے مشورہ کیا، زر خرید ملاؤں سے رابطہ کیا گیا، جنہوں نے سال بھر کے دانوں پر وڈیرے کی خوشنودی کے لئے من گھڑت دلائل اور منطق سے اس کو کرامت قرار دے کر لوگوں کی زبانیں بند کر دیں۔

قرآن سے نکاح اور حق سے دستبرداری کا یہ تمام معاملہ جبر اور خوف کی بنا پر ہوتا ہے۔ ابتداء میں لڑکیاں ان دونوں کی وجہ سے یہ فیصلہ تسلیم کر لیتی ہیں مگر پھر جب وہ ان بھٹیوں میں سلگ کر بڑی آزمائشوں کا شکار ہوتی ہیں تو پھر وہ پھٹ پڑتی ہیں۔ ضلع نواب شاہ کے ایک بہت بڑے زمیندار کا واقعہ ہے کہ جب اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو اس نے تمام عزیز و اقارب کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ "اب وقت جدائی ہے مجھ سے جو خطائیں ہوئی ہیں وہ کردو" تمام عزیز و اقارب نے معافی دے دی ایک بیٹی جس کو "بی بی" بنادیا گیا تھا اس نے کہا کہ "ابا حضور! میں نے آپ کے تمام قصور معاف کر دیئے مگر ایک قصور کا میں روز محشر آپ سے حساب لوں گی وہ ہے میرا قرآن سے نکاح اور حق زوجیت سے دستبرداری کا ظلم۔ یہ میں کبھی معاف نہیں کر سکتی کیونکہ میں نے اس ظلم کی بدولت جو عذاب جھیلا ہے وہ تمام عذابوں پر بھاری ہے"۔ والد نے خوب معافی تلافی کی، عزیز و اقارب نے دباؤ ڈالا مگر بی بی نے بات نہیں مانی، وڈیرے کی وفات کے بعد یہ بی بی پراسرار موت کا شکار ہوگئی۔

بوسنیا کو کوچ کیجئے

یوروپ کے عین قلب میں واحد مسلم ریاست بوسنیا کا وجود اب سخت خطرے سے دوچار ہے۔ گذشتہ چند دنوں کے دلدوز واقعات سے اس بات کا واضح اشارہ ملنے لگا ہے گویا بوسنیا کا چراغ اب گل ہونے کو ہے۔ ہمیں اس صورت حال کو ہر قیمت پر بدل ڈالنا ہے۔

معصوم بچوں اور بے بس عورتوں کی چیخ و پکار سے بوسنیا کی فضا گونج رہی ہے۔ آہوں اور کراہوں کے درمیان کبھی کسی مجاہد یا مجاہدہ کے نعرہ تکبیر سے کچھ حوصلہ ملتا ہے اور بس۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے مسلمان اپنے دینی بھائی بہنوں کی مدد کے لئے بوسنیا پہنچ رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ اب تک اپنے معمول کی زندگی میں مصروف ہیں۔ کیا آپ کے دل اتنے سخت ہیں کہ بے بس عورتوں اور معصوم بچوں کی چیخ و پکار سے اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا؟ پھر آخر کیا بات ہے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہے۔ حاملین شریعت اور علماء و قائدین کی زبانیں خاموش کیوں ہیں؟ کیا وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ مسلمان ایک بین الاقوامی ملت ہیں اور یہ کہ سارے جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر ایک دوسرے کی باہمی مدد ان کا دینی فریضہ ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے "اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا حامی پیدا کر اور مددگار فراہم کردے"۔ سورہ النساء

ہندوستانی مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے دینی بھائی بہنوں کی مدد کے لئے بوسنیا پہنچیں۔

مظلوم مسلم خواتین جو کمزور پا کر دبالی گئی ہیں اور معصوم بچے جو سربوں کی جارحیت سے بلبلا رہے ہیں آپ کی راہیں تک رہے ہیں۔

دنیا بھر کے نوجوان مسلم بھائی بہن جو موسم کے سرد و گرم کو جھیلنے کا یارا رکھتے ہوں اور جو اپنے طور پر بوسنیا کے لئے سفر کے انتظامات کر سکتے ہوں انہیں جلد از جلد کوچ کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔ بزرگوں پر لازم ہے کہ وہ باحوصلہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو مالی اور اخلاقی مدد فراہم کریں۔ فی زمانہ سفر کی نوعیت بدل جانے اور بوسنیا میں کاموں کی مختلف نوعیت کے پیش نظر ہم نے باحوصلہ خواتین کو بھی شرکت کی اجازت دے دی ہے۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب معاملہ امت کی زندگی اور موت کا ہو، جب اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوالیہ نشان پیدا ہونے لگا ہو، جب شریعت کا علم رکھنے والے روپوش ہو چکے ہوں اور جب مردوں کی دفاعی قوت اسلام کے دفاع کے لئے کافی نہ رہی ہو ایسی صورت میں خواتین کو شرکت سے نہیں روکا جا سکتا۔ کہ جب اسلام ہی نہ ہو گا تو مسلم خواتین یا بے حوصلہ مسلم مرد زندہ رہ کر بھی کیا کریں گے؟

بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کو پہنچنا صرف ہماری اسلامی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ ہمارا جمہوری حق بھی ہے۔ مسلمان تو کجا غیر مسلم بھی محض انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کے لئے آگے آ سکتے ہیں۔ پھر آپ تو بھلا مسلمان ہیں آپ اس راہ پر چل کر اللہ کے ان قریب ترین لاڈلوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے لئے اللہ کا بہترین وعدہ ہے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ چھوٹے چھوٹے گروپ کی شکل میں کوچ کریں۔

بوسنیا کی جس پڑوسی ریاست کا آپ بہ آسانی ویزا حاصل کر سکیں وہاں پہنچ جائیں البتہ اس بات کی کوشش کریں کہ ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ میں سے کسی ایک ملک کا ویزا بھی آپ کے پاس ہو۔

یوروپ میں داخلے کے بعد ملی پارلیامنٹ نے آپ کے لئے ایک بین الاقوامی ہلپ لائن کا انتظام کر رکھا ہے۔ جہاں سے آپ کو کوئی خدمت تفویض کر دی جائے گی۔

اندرون ملک ملی پارلیامنٹ کا دفتر شب و روز آپ کی رہنمائی کے لئے تیار ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ بہترین مددگار اور رہنمائی فرمانے والا ہے۔

International Help Line: +44-181-8012244

National Help Line: (011) 6827018 / (0571) 400182

والسلام
آپ کا بھائی
راشد شاذ

"اللہ نے میرے بیٹے کو زندگی دیدی تب بھی اسکا احسان، موت دیدی تب بھی"

مومن کی زندگی کا ایک ہی مقصد اللہ کی راہ میں قربانی

والدین کے دلوں میں اپنے جگر گوشوں کے لئے محبت و شفقت کے جذبات کا امنڈنا فطری امر ہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ بس توجہ اس بات کی طرف دی جانی چاہئے کہ اس محبت و شفقت کے ذریعہ بچوں میں اپنے تئیں اعتماد پیدا کرکے انہیں اللہ کی راہ میں جہاد اور روئے زمین پر لوگوں کو اسلام کے پیغام کی دعوت دینے کی طرف مائل کیا جائے۔ کیونکہ اگر گہرائی سے مسائل کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ اسلام کے مقاصد کی تکمیل ہماری زندگی کے تمام مقاصد پر فوقیت رکھتی ہے اور اسلامی سماج کی تشکیل و قیام مومن کی زندگی کا عظیم مقصد ہے۔ انسانوں کو ہدایت کی راہ پر لگانا اس کی کوششوں کا ہدف اور اس کے علم و فضل کا محور ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی فہم و بصیرت کا ثبوت اپنے عمل سے دیا تھا۔ پھر تابعین نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس جذبے کو مزید جلا بخشی ان کی کوئی تحریک جہاد فی سبیل اللہ سے خالی نہیں تھی۔ ان کا ہر پیغام پیغام الٰہی کی طرف بلاتا تھا اور ان کی تمام اغراض و مقاصد کا مرکز اسلام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ہمیں اسلام کے پیغام کو عام کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کے سلسلے میں ان کے کارناموں سے بھری ہوئی ملتی ہے یہاں تک کہ اس راہ میں انہوں نے اپنی جانوں کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کیا بلکہ اسے عین سعادت جانا۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ نے فرمانروائے مصر مقوقش سے کیا کہا تھا جسے رومی لشکر جرار کی حمایت اور اپنی دولت و ثروت پر بہت غرور تھا۔ اس جانباز مومن نے مقوقش کی افرادی اور مادی طاقت کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں نہ تو تمہارا لشکر ڈرا پائے گا اور نہ ہی کثرت مال و زر۔ یہ سارے سامان تو وہ کرتا ہے جسے نقصان کا اندیشہ ہو جب کہ ہمیں کہیں سے خسارہ نہیں ہے اگر ہم تم پر فتحمند ہوگئے تو دنیا کی مال و دولت ہمارے قدم چومے گی اور اگر تمہارے مقابلے میں ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو آخرت کی نعمت کے ہم حقدار ہوں گے اور اسی لئے اللہ عزو جل نے فرمایا کہ "اللہ کے حکم سے کتنے ہی چھوٹے گروہ بڑے گروہوں پر غالب آگئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ ہمارے ساتھ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں شہادت نصیب فرمائے انہوں نے خود کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے وقف کردیا ہے۔ اگر ہمیں پوری دنیا بھی مل جائے تو اس میں سے اپنی موجودہ حالت کے مقابلے میں کچھ بھی لینا پسند نہ کریں گے۔

> ہمیں نہ تو تمہارا لشکر ڈرا پائے گا اور نہ ہی کثرت مال و زر۔ یہ سارے سامان تو وہ کرتا ہے جسے نقصان کا اندیشہ ہو جب کہ ہمیں کہیں سے خسارہ نہیں ہے اگر ہم تم پر فتحمند ہوگئے تو دنیا کی مال و دولت ہمارے قدم چومے گی اور اگر تمہارے مقابلے میں ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو آخرت کی نعمت کے ہم حقدار ہوں گے

عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ موقف ہمارے ان بے شمار اجداد کے موقف کی نمائندگی کرتا ہے جنہوں نے دنیاوی جاہ و جلال سے مرعوب نہ ہوکر حق کی راہ میں عظیم قربانیاں دی ہیں اور آل و اولاد کی محبت کو پس پشت ڈال کر اللہ کی محبت کو مقدم رکھا اور سورہ توبہ میں اس فرمان الٰہی کی تعبیر پیش کی:—

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو، اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے اس موقف کی توسیع ہمارے اسلام میں جن بزرگوں نے کی ہے۔ ان میں امام شہید حسن البناء نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر عید کے موقع پر اپنے قرب و جوار کے اضلاع میں سروے کرنے کے لئے نکلتے تھے کہ نوجوانوں میں دعوت الی اللہ کا رجحان پیدا کرنے کے مقصد میں کس حد تک پیش رفت ہوئی ہے۔ ایک بار جب وہ اسی غرض سے سفر پر تھے تو ان کے بیٹے کو شدید مرض نے گھیر لیا اور اسی حالت میں اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ گھر سے چلتے وقت ان کی بیوی نے کہا کہ اگر آپ سفر ملتوی کردیں اور ہمارے پاس رہیں تو ہمیں تسلی رہے گی اور آپ اپنے بیٹے کی خبرگیری و تیمارداری بھی کرسکیں گے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ اگر اللہ میرے بیٹے کو شفا دے دیتا ہے تو اس کا شکر و احسان ہے اور اگر اس کے لئے موت مقدر ہوچکی ہے تو بھی۔ پھر وہ سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت پڑھتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

> گھر سے چلتے وقت ان کی بیوی نے کہا کہ اگر آپ سفر ملتوی کردیں اور ہمارے پاس رہیں تو ہمیں تسلی رہے گی ان بزرگ نے جواب دیا کہ اگر اللہ میرے بیٹے کو شفا دے دیتا ہے تو اس کا شکر و احسان ہے اور اگر اس کے لئے موت مقدر ہوچکی ہے تو بھی۔

سوچئے کہ اللہ کے پیغام کو پھیلانے کے لئے ہمارے اسلاف نے قربانی کی کیسی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے دلوں پر اسلام کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ غالب کریں اور اپنے بچوں کے ذہنوں کو بھی ہموار کریں کہ وہ مستقبل میں دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا پرچم بلند کرنے والے بنیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام کا بول بالا کرنے اور قرآن و سنت کے مطابق صالح معاشرہ کا قیام امت محمدی کو اس کی عظمت کی بازیابی میں نمایاں کردار ادا کرنے والی شخصیتوں کی تشکیل میں ہماری خدمات کا بھی شمار ہوجائے۔

یہ باتیں مسلمان مرد کو کتابیہ سے شادی کرنے سے روکتی ہیں

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

سوال :— ایک عورت کو اس کے شوہر نے آج سے چار سال قبل طلاق دے دی۔ اب وہ اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے۔ عورت نے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ گذشتہ چار سال کا نفقہ چار ہزار روپئے سالانہ کے حساب سے اسے ادا کرے اور آئندہ بھی برابر نفقہ دیتا رہے تو وہ رجعت کو قبول کرنے پر تیار ہوجائے گی۔ مرد نے یہ شرط منظور کرلی اور کچھ دن تک نفقہ کی ادائیگی کا التزام کرتا رہا لیکن کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد وہ وعدے سے پھر گیا۔ مرد کا یہ سلوک شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

جواب :— مرد نے جب ایک بار طلاق دے دی اور اس کے خاصے عرصے کے بعد رجوع کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاملہ اب عورت کے ہاتھ میں آگیا وہ چاہے تو رخصت پر رضامند ہو یا نہ ہو ایسی صورت میں دونوں کے درمیان جو شرط بھی ٹھہرے گی شوہر پر اس کی پابندی لازم ہے۔

سوال :— ایک شخص کا مکان زیر تعمیر ہے اور عنقریب مکمل ہونے والا ہے۔ اسے کسی نے بتایا ہے کہ مکان کے سامنے بکرا ذبح کرنا اس کے لئے ضروری ہے اور ذبح کرتے وقت جن و آسیب سے محفوظ رہنے اور خیر و برکت کے لئے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی جائے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے۔ اگر نہیں تو خیر و برکت کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

جواب :— جہاں تک ذبیحہ اور اس سے متعلق امور کا تعلق ہے کہ وہ مکان کی چوکھٹ پر ہی انجام دئے جائیں تو یہ بے کار سی بات ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ بھی توہم پرستی ہی ہے۔ یہ توہمات عقیدے میں خلل ڈالتے ہیں۔ گھر کے اندر سورہ بقرہ یا قرآن کریم کی کوئی اور سورت پڑھنا لائق فضیلت عمل ہے لیکن یہ سنت میں شامل نہیں کہ جب کوئی شخص کسی گھر میں آباد ہونے کا ارادہ کرے تو اس میں سورہ بقرہ کی تلاوت کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن شریف کی تلاوت کے لئے گھر کے نئے یا پرانے ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اس میں جو لوگ بھی رہتے ہوں وہ خیر و برکت کے لئے کہیں سے بھی تلاوت کرسکتے ہیں۔ اب رہ گئی خیر و برکت کی بات تو اس کے حصول کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کس حد تک فرائض و سنن کی ادائیگی پر کاربند ہیں۔ کار خیر میں کتنا حصہ لیتے ہیں منکرات سے کتنا قریب یا دور ہیں فحاشی اور گناہ سے کتنے کنارہ کش رہتے ہیں۔ یہ سارے معاملات خیر و برکت ہی میں تو شمار ہوں گے۔ اس لئے قرآن کی تلاوت ذکر و درود ۔۔۔ و استغفار یہ ساری باتیں انسان کے رزق میں، مال میں، عمر میں اور آل و اولاد میں فراخی اور برکت کا سبب بنتی ہیں۔

سوال :— اگر کوئی شخص کتابیہ سے شادی کرے تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ پوری عمر عورت کے قبول اسلام کے بغیر اس کے ساتھ زندگی گزارے؟

جواب :— اللہ سبحانہ و تعالی کا ارشاد ہے جن لوگوں پر کتاب اتاری گئی ان کے ساتھ کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارے ساتھ کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اسی طرح مومنات اور اہل کتاب میں سے باعفت عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ تو اگر کتابیہ فحاشی و گناہ سے پاک ہے تو اس سے شادی مباح ہے بشرطیکہ وہ جس ملک کی رہنے والی ہے وہاں کا قانون مرد کو کم حیثیت پر نہ رکھتا ہو۔ مثلاً یہ کہ بعض ممالک میں عورت شوہر کے نصف مال کی مالک ہوتی ہے، اولاد عورت کی اتباع کرتے ہیں اور طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ ایسی شرائط ہیں جو مسلمان مرد کو کتابیہ سے شادی کرنے سے روکتی ہیں۔ اگر یہ شرطیں نہیں ہیں تو اس حالت میں کوئی شخص اپنی کتابیہ بیوی کے ساتھ پوری عمر گذار سکتا ہے کہ بیوی اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ لیکن اگر مرد میں استطاعت ہو تو وہ بیوی کو قبول اسلام پر راضی کرسکتا ہے۔

سوال :— عورت کے لئے ایسے کونٹیکٹ لینس کا استعمال جسے لگاکر اس کی آنکھ نیلی یا ہری نظر آئے اللہ کی تخلیق میں تصرف و تبدیلی نہیں ہے؟

جواب :— اس عمل کو خلق اللہ میں تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ غیر شادی شدہ ہو اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے سے شادی کے خواہش مند مردوں کو اپنی خوبصورتی کا غلط تاثر دے تو اسلام کی نگاہ میں یہ جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ عورت شادی شدہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں بہتر یہی ہے کہ وہ اس لینس کا استعمال چھوڑ دے کیونکہ ان لینسوں سے آنکھ میں سوزش پیدا ہوتی ہے بعض لوگوں کی آنکھیں بہت حساس ہوتی ہیں اور کسی بھی خارجی لمس کو قبول نہیں کرتیں۔ لیکن اگر طبی اعتبار سے کوئی ضرر نہیں پہنچ رہا ہے اور مقصد دھوکہ دینا نہیں ہے، کسی فتنہ و فساد کا بھی اندیشہ نہیں تو ایسی چیز کا استعمال مباح ہے۔

سوال :— جادو کا توڑ جادو کے ذریعے کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیا اس غرض سے جادوگر کی خدمات حاصل کرنا گناہ ہے جب علاج کی تمام راہیں مسدود ہوگئی ہوں؟

جواب :— سحر کا توڑ بغیر سحر کے یعنی دوسرے ذرائع سے کرنا افضل ہے۔ اس کے لئے بہت سے مجرب قرآنی اوراد و وظائف ہیں۔ لیکن اگر انتہائی مجبوری میں سحر کے علاج کے لئے ساحر کے پاس جانا بھی پڑے تو ایسا کرنے سے پہلے اہل علم سے اچھی طرح صلاح و مشورہ کرلینا چاہئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر حالات میں مریض پر سحر کا اثر نہیں ہوتا بلکہ بعض ذہنی اور نفسیاتی کیفیتوں کی وجہ سے سحر زدہ نظر آتا ہے۔ اسی لئے ساحر کے پاس جانے میں عجلت کے بجائے علاج کا سہارا لینا چاہئے

”ورچوول رئیلٹی“ کی تکنیک سے عمارتی صنعت میں انقلاب

اب آپ معمار کے ذہن میں محفوظ نقشے کو مجسم شکل میں دیکھ سکتے ہیں

شاید آپ نے کسی عمارت کا گتے سے تیار شدہ ماڈل دیکھا ہو جس میں اندرونی تفصیل بھی ظاہر کی گئی ہو۔ اسی چیز کو زیادہ بہتر طریقے سے سہ جہتی تصویر کشی کے ذریعہ کمپیوٹر کی مدد سے پیش کرنا اب ممکن ہوگیا ہے۔ اگر آپ کام شروع ہونے سے پہلے بھی کسی مجوزہ عمارت کی اندرونی تفصیل سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں تو ورچوول رئیلٹی کی تکنیک آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے جو کمپیوٹر اسکرین پر سب کچھ دکھادے گی۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس تکنیک سے عمارتی صنعت میں انقلاب آگیا ہے کیونکہ آپ عمارت کا سنگ بنیاد پڑنے سے پہلے معمار کے ذہن میں محفوظ نقشے کو مجسم شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس مقصد سے عمارتی صنعت سے وابستہ مختلف شعبوں میں مصروف 60 انجینئروں پر مشتمل ایک تنظیم وجود میں آئی ہے جو ورچوول رئیلٹی کے ذریعے عمارتی نمائش کے طریقے اور صارفین کے لئے موزوں معیارات متعین کرے گی۔ اس میدان کار سے متعلق وہ اپنے پروگرام بھی تیار کرکے بازار میں لائے گی۔

یہ تنظیم ورچوول رئیلٹی کو عمارتی صنعت میں زیادہ کامیابی کے ساتھ برتنے کی غرض سے یونیفائیڈ طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ بعض آرکیٹکٹ، اسٹرکچرل انجینئر، سروس اور مینٹی ننس انجینئر ایک ساتھ مل کر تعمیری منصوبے کو طے کرتے ہیں۔ اسی لئے ورچوول رئیلٹی کے سافٹ ویر پروگرام بنانے میں ہر قبیل کی معلومات شامل ہوجاتی ہیں اور وہ بیک وقت صارف کی نظر میں آجاتی ہیں جس سے اسے کم وقت میں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ اسے کس مقصد سے کس طرح کی عمارت درکار ہے۔

> اگر آپ کام شروع ہونے سے پہلے بھی کسی مجوزہ عمارت کی اندرونی تفصیل سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں تو ورچوول رئیلٹی کی تکنیک آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ جو کمپیوٹر اسکرین پر سب کچھ دکھادے گی۔

مختلف انجینئروں پر مشتمل ورچوول رئیلٹی فورم ایک ورچوول رئیلٹی ڈیٹابیس کے قیام کا بھی ارادہ رکھتا ہے جس تک تمام ممبران کی رسائی ممکن ہوگی اس کا ہیڈکوارٹر لندن کے قریب گارسٹن میں واقع ہوگا۔

ورچوول رئیلٹی ڈیٹابیس پروجیکٹ کی کفالت برطانوی شعبہ ماحولیات کر رہا ہے۔ شعبہ کا خیال ہے کہ ورچوول رئیلٹی کی تکنیک عمارتی صنعت میں بہتری لانے کا بہت اچھا ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی کمپنیوں کو غیر ملکی عمارتی ٹھیکوں کے حصول میں خاصی مدد ملے گی۔

ورچوول رئیلٹی آئی ٹی ٹیکنولوجیکل ہائی وے کی تعمیر بہت مفید ثابت ہوتی ہے اور قدم قدم پر اس کا استعمال اس شعبے میں کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ ڈیمانسٹریشن میں اس کا استعمال پہلے سے ہورہا ہے۔ کھلونے اور تفریحی سامان تیار کرنے والی کمپنیوں کے علاوہ گھریلو استعمال کی اشیاء بنانے والی فرموں نے بھی اس تکنیک سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً اکثر یوروپی گھروں میں کچن کو صاف شفاف رکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ برٹش گیس کمپنی نے کچن کے ڈیزائنوں کے ڈیمانسٹریشن کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے۔

> کھلونے اور تفریحی سامان تیار کرنے والی کمپنیوں کے علاوہ گھریلو استعمال کی اشیاء بنانے والی فرموں نے بھی اس تکنیک سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

یارک یونیورسٹی نے سائنس اینڈ انجینئرنگ ریسرچ کونسل کے تعاون سے اس ٹیکنولوجی کو یہ دریافت کرنے کی غرض سے استعمال کرنا شروع کیا ہے کہ دواؤں پر Moleculs کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ پروسیس پلانٹ، پٹرو کیمیائی تنصیبات کے ڈیزائن بھی وی آر کے ذریعے بنائے جارہے ہیں۔ غرضیکہ جب ایک بار وی آر کی افادیت ثابت ہوگئی تو انسانی ذہن نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اس سے فائدہ اٹھانے کی تدبیریں نکال لیں۔ ڈیزائن کی تیاری اور مارکیٹنگ کے فروغ میں بروئے کار لائے جانے کے ساتھ ساتھ بیش قیمت تعلیمی تربیت میں بھی وی آر اہم خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس کے ذریعہ فائر انجینئرنگ سے متعلق پیچیدہ ریاضیاتی نظریات کی بصری وضاحتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اسی طرح کمپیوٹر امیجری کے ذریعہ نیوکلیر مینٹی نینس پروگرام بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔ ابھی مزید حیرتیں ورچوول رئیلٹی کی زنبیل میں ہیں وہ دن دور نہیں جب اس کا استعمال روبوٹک سرجری اور دور دراز کے علاقوں میں ٹیلی ریڈیولوجی کے ذریعے اسے آپریشن کے مقصد سے کام میں لایا جائے گا۔

عمر اور عقل سے زیادہ سیکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے

بچوں کو درسی کتب سے کہیں زیادہ براہ راست تجربات کی ضرورت

چھوٹے بچوں میں اپنی عمر اور عقل سے زیادہ آگے کی باتیں اور تصورات کو سمجھ لینے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے اسی لئے انہیں درسی کتب سے کہیں زیادہ براہ راست تجربے کی ضرورت ہے۔ بچے اپنے ماحول سے سیکھتے ہیں اور اس عمل میں ان کے گرد و پیش کی قریب ترین دنیا کے بصری اور سمعی تجربات معاون ہوتے ہیں۔ اشیاء اور مظاہر کو دیکھنے اور چھونے اور بہت سی سرگرمیوں میں شرکت کے دوران جسمانی نشو و نما کے ساتھ ان کا شعور بھی پروان چڑھتا ہے اور درسی آموزش پر انحصار بہت کم رہ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مرحلہ بچپن کے بعد شروع ہوتا ہے۔ بلوغت کے آغاز سے کچھ قبل جب پڑھنے اور مطالعہ کی عادت پختہ ہوچکتی ہے تو تحریری لفظ پیچیدہ اور مجرد تصورات کو سمجھنے میں مدد کرتے ہیں۔ بچوں پر یہ انکشاف بچپن اور بلوغت کے درمیان کی منزل پر ہوتا ہے کہ سیکھنے کے لئے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

اگرچہ کتابوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ بچوں کو ان تجربات سے روشناس کرایا جائے، جو براہ راست مشاہدہ کے ذریعہ ان تک پہنچتے ہیں لیکن تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں بچہ کتاب خوانی کو بوجھل اور تھکادینے والے عمل کا ہی درجہ دیتا ہے۔

ترقی یافتہ نظام ابلاغ کے اس دور میں جہاں علم برقی رو کی مانند ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے بچوں کے مزاج سے مطابقت رکھتے ہوئے قریب ترین ماحول اور تجربات کی دنیا کو جیتی جاگتی شکل میں پیش کرکے آموزش کے عمل کو دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے بچے ابتدائی تعلیم کے زمانے میں محروم رہ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بنجاروں کے طرز زندگی یا گینڈے کے بارے میں بچوں کو بتانا ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہی ہوگا کہ انہیں حقیقی ماحول میں لے جایا جائے یا ان کے سامنے متحرک تصاویر پیش کی جائیں۔ اس طرح نہ صرف ان کے جذبہ تجسس کی تسکین ہوگی بلکہ سیکھنے کا عمل تیز رفتار اور خوشگوار بھی بن سکے گا۔

کثیر ابلاغی نظام کے ذریعہ اب ایسی معلوماتی مشینوں تک انسان کی رسائی ہوگئی ہے جو بچوں کے سامنے حقائق تو نہیں لیکن بالواسطہ حقائق کو متحرک شکل میں ضرور پیش کرتی ہیں۔ چھوٹے بچوں کی فطرت ہے کہ وہ چیزوں کے بارے میں اپنے تجسس کا اظہار بے ترتیب انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن اسے زیادہ عمر کے بچوں کا تجسس قریب ترین ماحول یا دنیا کا احاطہ کرتا ہو یا بالفاظ دیگر اب ان کے تجربے کے دائرے کار میں پیچیدہ تصورات بھی شامل ہوگئے ہوں تو انہیں درسی کتب، نظام الاوقات اور اپنے سے عمر میں بڑے افراد کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ معلوماتی مشین کے ذریعہ آموزش میں ان میں سے کسی سہارے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

> مثال کے طور پر بنجاروں کے طرز زندگی یا گینڈے کے بارے میں بچوں کو بتانا ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہی ہوگا کہ انہیں حقیقی ماحول میں لے جایا جائے یا ان کے سامنے متحرک تصاویر پیش کی جائیں۔ اس طرح نہ صرف ان کے جذبہ تجسس کی تسکین ہوگی بلکہ سیکھنے کا عمل تیز رفتار اور خوشگوار بھی بن سکے

ان تمام باتوں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کتابیں خراب ہوتی ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ لکھا ہوا لفظ نوع انسانی کو اب تک میسر ذرائع ترسیل میں افضل ترین ہے اور مجرد تصورات کی تفہیم میں اس کا ثانی نہیں۔ تاہم ایک اچھی کتاب سے توقع کی جاتی ہے کہ لکھنے والے کے خیالات و تصورات پڑھنے والے کے ذہن میں زندہ ہوتے رہیں اور جہاں مقصد فوت ہوتا ہو وہیں آموزش پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

ٹکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز ترقی اور معلوماتی مشین کی ایجاد سے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے ضمن میں ہم اپنی توجہ کتاب خوانی کے بجائے آموزش پر صرف کریں اور مختلف موضوعات کو بچوں کے قریب ترین تجربات کی دنیا سے ہم آہنگ کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر کی منزلیں طے کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں میں نئی صلاحیتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن اولین فطری صلاحیت جو وہ کبھی نہیں کھوتے وہ ہے سیکھنے کی صلاحیت۔

نئی کتابیں

شریعت اسلامی میں ماحولیاتی بیداری کا تصور

ایک ایسی کتاب جو قرآن و حدیث کی روشنی میں انسان اور ماحولیات کے باہمی تعلق سے بحث کرتی ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

ماحول کو آلودگی سے بچانے کا مسئلہ جدید دنیا کی ناگزیر ضرورت بن گیا ہے اور جب سے ماحولیاتی آلودگی اور اس سے پیدا شدہ مشکلات میں اضافہ ہونا شروع ہوا ہے یہ مسئلہ سرکاری ذمہ داران، سائنسداں اور عام شہریوں کی یکساں طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ انسان کو درپیش ماحولیاتی مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اور اس کے ماحول کے درمیان رشتے میں ایک طرح کا خلل واقع ہوگیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اپنے گرد و پیش کی خبرگیری کی ذمہ داری کی طرف سے ہم غافل ہوچکے ہیں۔ حالانکہ یہ ہماری اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

اسلامی تنظیم برائے سائنس و ثقافت کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب "اسلامی ماحولیاتی تربیت اور بحری آلودگی سے بچاؤ کی تدابیر" جو ڈاکٹر زین الدین عبدالمقصود غنیمی (لکچرر، کویت یونیورسٹی) کی کاوش قلم کا نتیجہ ہے، دور حاضر میں بحری ماحولیات پر بااثر انسانی تصرفات کے جواز و عدم جواز سے قرآن و سنت کی روشنی میں بحث کرتی ہے اور سائنسی بنیادوں پر ان تصرفات کے منفی اثرات کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ مصنف نے اب تک کی ماحولیاتی خرابی کے علاج کے علاوہ مستقبل میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کی تدابیر بھی تجویز کی ہیں۔ انہوں نے اس پہلو کو خاص طور پر واضح کیا ہے کہ پیغامات سماوی کا انسانوں تک آنے کا سلسلہ اسلام کی تکمیل کے ساتھ بند ہوگیا اسلام نے ایسے بنیادی اصول انسان کے لئے وضع کردیے جس کی مدد سے وہ اپنے ماحول کو بہتر بنائے اور اس سے درست اور جائز فائدے حاصل کرے جس سے ایک طرف اس کے ماحول پر اس کی زندگی کے مثبت اثرات مرتب ہوں اور دوسری طرف وہ ترقی کی سمت میں قدم بڑھاسکے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام انسانوں کو صحیح سمت میں زندگی کی تعمیر نو کی دعوت دیتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے ماحولیات کے تئیں انسانی رویہ نظرثانی کا محتاج ہے اور اس ضمن میں اسلامی ماحولیاتی تربیت کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے خصوصاً اس لئے کہ وہ ہمارے افعال و اعمال کی نگرانی کا فریضہ انجام دے کر ہمیں اپنے ماحول سے مثبت سلوک کی ترغیب دے گی۔ دوسرا نکتہ جو ڈاکٹر غنیمی نے اٹھایا ہے یہ ہے کہ ماحولیات کے تحفظ اور اس کی دیکھ بھال کے سلسلے میں جو قواعد و ضوابط آج مغربی دنیا نے وضع کر رکھے ہیں اور اس کا یہ دعوی کہ اس میدان میں تحقیق و تجسس کا سہرا اسی کے سر ہے سائنسی غلط فہمی پر مبنی ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ چودہ صدی قبل اسلام نے ان سب قواعد و ضوابط پر سبقت حاصل کرلی تھی جب اس موضوع پر خود کلام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بعض اہم نکات وارد ہوئے۔ اس کے علاوہ اسلامی مفکروں نے انسان اور ماحولیات کے باہمی تعلق پر اسلامی شریعت کی روشنی میں بیش قیمت تحریریں چھوڑیں اسلام نے ماحولیاتی تربیت کے لئے جو ضابطے بنائے ہیں انہیں مصنف نے مندرجہ ذیل زمروں میں رکھا ہے:

حساس اور باضمیر شہری پیدا کرنے کے لئے صالح ماحولیاتی بیداری لوگوں میں پیدا کرنا۔

ماحولیات کے تئیں ذمہ داری کے احساس کو فروغ دینا۔

مستقبل کے ماحولیاتی مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا جس سے عام شہری بھی ماحولیات کے میدان میں تعمیری انداز سے سوچنے کے عادی ہوجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ مستقبل کی صورت حال کا اندازہ کرکے ہی ہم ماحولیاتی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے قابل بن سکیں گے۔

> شریعت اسلامی کی روشنی میں ماحولیاتی تربیت کے لئے ایک ایسی حکمت عملی وضع کرنے کی شدید ضرورت ہے جو ماحولیاتی مسائل کو حل کرنے میں پوری طرح موثر ہو اور جس پر تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر عمل کریں۔

ایک ایسے ماحولیاتی ادارے کا قیام جو ماحولیاتی تحفظ کے عملی پہلوؤں پر برابر نظر رکھے تاکہ ترقیاتی پروجیکٹ کہیں سے بھی اپنے متعینہ ماحولیاتی خطوط سے تجاوز نہ کرسکیں۔

مصنف نے اس جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ اسلام دیگر شعبہ حیات کی طرح ماحولیات کے میدان

میں بھی انسان سے اعتدال پسندی اور میانہ روی کا طالب ہے اور اس میانہ روی میں عوام الناس کے لئے خیر و برکت مطلوب ہے اور اسراف سے اسی لئے روکا گیا ہے کہ اس میں بہت سے ضرر رساں پہلو پوشیدہ ہیں۔ اور جب ہم اعتدال و اسراف کے اصول کا اطلاق ماحولیات پر کرتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسراف غیر ماحولیاتی طرز عمل ہے اور اسی لئے غیر اسلامی بھی ہے کیونکہ اس سے انسان کو ضرر پہنچنے کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی وسائل کی بھی پامالی ہوتی ہے اور ترقی کے عمل میں رخنہ پڑتا ہے گویا کہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا حیات انسانی کے لئے مفید استعمال کے بجائے اس کی بے حرمتی اس طرح زیادہ ہوتی ہے۔ حالانکہ ان نعمتوں کی حفاظت اور انہیں سنبھال کر رکھنا انسان کا فرض ہونا چاہئے۔ اسی بناء پر اسراف کے مرتکب گمراہ لوگوں کو دنیا و آخرت میں ہلاکت اور شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

یہی بحری ماحولیات اب مختلف طرح کی آلودگیوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف سمندری مخلوق بلکہ انسان بھی خطرے کی زد پر ہیں کیونکہ انسان کا غذا کے لئے بڑی حد تک ان پر انحصار ہے اور مختلف کاموں میں سمندر کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب یہی پانی آلودہ ہوجائے گا تو اسے پینے والے لوگ اور اس سے تیار شدہ یا پیدا ہونے والی اشیاء میں بھی آلودگی آجائے گی جس سے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں خطرے میں پڑجائیں گی۔

اس لئے بقول مصنف شریعت اسلامی کی روشنی میں ماحولیاتی تربیت کے لئے ایک ایسی حکمت عملی وضع کرنے کی شدید ضرورت ہے جو ماحولیاتی مسائل کو حل کرنے میں پوری طرح موثر ہو اور جس پر تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر عمل کریں۔

آپ کی الجھنیں

شوہر کے دل سے کہیں آپ کی محبت رخصت نہ ہوجائے

> اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: — میں اٹھائیس سال کا شادی شدہ جوان ہوں اور الحمدللہ میرے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ بیوی بھی مجھے فرماں بردار ملی ہے۔ جو ہر طرح میرا خیال رکھتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک بیوی میرے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسری عورت سے بھی شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ جب میں نے اس ارادے کا اظہار اپنی بیوی کے سامنے کیا تو وہ چراغ پا ہوگئی اور کہنے لگی کہ اگر میں نے ایسا کیا ہی تو وہ طلاق لے لے گی اور میرے ساتھ پھر وہ ایک لمحہ بھی نہ رہے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سوچ کر کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا میں دوسری شادی کی سمت میں پیش قدمی کروں یا اپنے اہل و عیال کی عافیت اور بیوی کی طرف سے ملنے والی طلاق کی دھمکیوں کے پیش نظر اس ارادے سے باز آجاؤں؟

جواب: — اگر کسی شخص کو اپنے بارے میں یہ اعتماد ہو کہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل قائم رکھ سکے گا اور اسے یہ بھی یقین ہو کہ ان بیویوں کی طرف سے خود پر عائد ہونے والے جملہ حقوق کی ادائیگی پر قادر رہے گا تو دوسری شادی کرنا مستحب ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جیسا بیشتر لوگ سمجھتے ہیں ایک سے زائد عورتوں سے شادی حظ و انبساط کا ذریعہ بننے کے ساتھ زحمت و مشقت کا سامان بھی فراہم کرسکتی ہے۔ جب اچانک کئی عورتوں کی مالی کفالت سے آدمی قاصر ہوجاتا ہے تو پھر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے اس کا دل بھی تنگ ہونے لگتا ہے اور پھر وہ اسے طلاق دے دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مطلقہ یا اس سے ہونے والی اولاد عمر بھر یتیموں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے بچوں کے برعکس وہ اپنے باپ کے التفات اور شفقت و کرم سے محروم رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی بیویوں کے ساتھ ناانصافی اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں اپنی نااہلی کے باعث معاشرے کی خراب تصویر پیش کرتے ہیں۔

> دوسری جانب پہلی بیوی کو چاہئے کہ اگر اس کا شوہر دوسری شادی کر رہا ہے تو وہ صبر و اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے شوہر کے ساتھ اپنے معاملات کو زیادہ خوش اسلوبی سے نبھائے تاکہ اسے کسی طرف سے خسارہ نہ رہے

دوسری جانب پہلی بیوی کو چاہئے کہ اگر اس کا شوہر دوسری شادی کر رہا ہے تو وہ صبر و اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے شوہر کے ساتھ اپنے معاملات کو زیادہ خوش اسلوبی سے نبھائے تاکہ اسے کسی طرف سے خسارہ نہ رہے کیونکہ اگر وہ شوہر کو جلی کٹی سنائے گی تو اس کا ابھی تک بنا ہوا یگانگت اور انسیت کا ماحول ختم ہوجائے گا۔ اسی طرح جب دوسری عورت گھر میں آجائے تو اس کے ساتھ وہ بہن جیسا معاملہ کرے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ دوسری عورت دین کے رشتے سے اس کی بہن ہے اور شوہر کے بچوں کے بھائی بہنوں کی ماں ہے۔ اسے افواہ پھیلانے والے لوگوں سے احتراز کرنا چاہئے جو طرح طرح کی چغلیاں کرکے عزیزوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔ شوہر کا فرض ہے کہ وہ دو بیویوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لے۔ ان سے محبت و احترام سے پیش آئے اور ان میں یہ احساس پیدا کرے کہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرکے وہ خانگی زندگی کی نعمتوں سے زیادہ اچھی طرح بہرہ مند ہوسکتی ہیں۔ انہیں یہ سمجھایا جائے کہ اگر وہ ایک دوسرے کی عیب جوئی میں لگی رہیں گی اور چغل خوروں کی باتوں پر کان دھریں گی تو رفتہ رفتہ ان کے لئے محبت و احترام شوہر کے دل سے رخصت ہونے لگے گا۔

> جب دوسری عورت گھر میں آجائے تو اس کے ساتھ بہن جیسا معاملہ کرے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ دوسری عورت دین کے رشتے سے اس کی بہن ہے اور شوہر کے بچوں کے بھائی بہنوں کی ماں ہے۔

Invitation Price Rs. 4/-
1- 15 September 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

دو شناخت کے درمیان

انتہائی سرد برفیلے ماحول میں جب سمندر اور جھیل برف کی سفید پرت سے ڈھک جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا فطرت نے کوئی سفید قبا پہن لی ہو اور سرد برفیلی ہوائیں جسم اور روح میں ایک جھرجھری کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں اس وقت رابعہ نور اکرام کو کھلی فضا میں بیٹھنا نہ جانے کیوں بہت بھلا لگتا ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے گویا خدا کا سایہ اس کے چاروں طرف وا ہوگیا ہو۔ فطرت کے اس انتہائی پراسرار منظر میں رابعہ کو اپنے خدا سے یک گونہ تعلق کا احساس ہوتا ہے۔

فن لینڈ کے ایک چھوٹے سے جزیرے ماری ہام میں رابعہ واحد مسلمان بچی ہے جسے نہ صرف یہ کہ اپنے مسلمان ہونے کا شدید احساس ہے بلکہ اپنے آبائی وطن پاکستان سے بھی وہ یک گونہ تعلق محسوس کرتی ہے۔ رابعہ کی عمر ابھی کوئی چودہ سال

ہے لیکن گرد و پیش کے ماحول نے اسے اپنی عمر سے کہیں زیادہ سنجیدہ بنا دیا ہے۔ اسے حیرت ہوتی ہے کہ آخر اس کے اسکول کے دوست لڑکے اور لڑکیاں خدا کے وجود کے شاکی کیوں ہیں؟ وہ جب بھی کسی سے خدا کے بارے میں سوال کرتی ہے اسے جواب ملتا ہے: ہمیں نہیں معلوم۔ دوسری طرف رابعہ نہ صرف اسلامی ثقافت سے خود کو متعلق محسوس کرتی ہے بلکہ اسے بار بار محسوس ہوتا ہے کہ شاید اپنی ہمجولیوں میں اپنے مذہب کی وجہ سے وہ ممتاز ہے۔ لیکن چودہ سالہ رابعہ صرف حساس ہی نہیں، بہت سے مسائل کے بارے میں گم سم سی ہے۔ گھر کے اندر مشرقی لباس اسے اسلامی ثقافت سے جوڑ دیتا ہے اور دوسری طرف خالص یوروپی طرز کا لباس اسے ایک الگ شناخت عطا کرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا وہ دو شناختوں کے درمیان کھوئی گئی ہے۔

رابعہ گو کہ مغرب میں پلی بڑھی اور اسے اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا مغرب کے معاشرے میں ہی اس کے لئے جگہ ہو سکتی ہے لیکن اپنے سفر پاکستان کے دوران اس نے جو کچھ دیکھا اس سے اس خیال کو ہمیشہ تقویت ملی کہ اس کا اصل رول پاکستانی معاشرے میں ہی ہے۔ اس کے والدین جو برسہا برس پہلے مغرب میں آکر آباد ہوئے تھے اس وقت ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کل ان کے بچوں کے لئے کسی شناخت کی تلاش کا کام اتنا مشکل ہو جائے گا۔ ان کے والد محمد اکرام ایک خالص پاکستانی لب و لہجے کے آدمی ہیں۔ پاکستان اور اسلام کی محبت سے سرشار۔ لیکن خود انہیں بھی اکثر ایسا لگتا ہے گویا مغرب میں اپنے بچوں کو حقیقی اسلامی شناخت عطا کرنے میں وہ کچھ کامیاب نہیں ہیں۔ لیکن یہ کہانی صرف محمد اکرام کے گھر کی نہیں، مغرب میں بے شمار ایسے گھر موجود ہیں جن کی دوسری نسل شناخت کے بارے میں خاصا مبہم رویہ رکھتی ہے۔ البتہ ان ملکوں میں جہاں اسلامی بیداری کی لہر نے نئی نسل کو ایک انقلابی شناخت عطا کر دی ہے اور انہیں اپنے اسلام پر بے انتہا فخر ہے وہاں معاملہ خاصا مختلف ہوگیا ہے۔ بھائی محمد اکرام بھی اس تنہا جزیرے سے منتقلی کا پروگرام بنا رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ لندن میں ان کا قیام ان کی بچی کو ایک انقلابی اسلامی شناخت عطا کرنے میں معاون ہوگا۔

لیکن ایسا بھی نہیں کہ رابعہ اسلام کی انقلابی شناخت سے یکسر دور ہو۔ وہ اخبارات پڑھتی ہے اور خاص طور پر مغرب میں مسلم طلباء اور طالبات کی انقلابی تحریک سے خود کو جذباتی طور پر متعلق محسوس کرتی ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ جب ان اسلامی عزائم کو لے کر گھر سے نکلتی ہے تو باہر کا ماحول اسے بے انتہا اجنبی اجنبی سا لگتا ہے اور جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ معمول کے شب و روز میں کھو جاتی ہے تو اسے ایسا لگتا ہے گویا اس کا اسلام کہیں پیچھے رہ گیا ہو۔ لیکن کھلے آسمان کے نیچے تا حد نظر پھیلی ہوئی برف کی سفید چادر کے اس پار جب وہ دور بہت دور پاکستان کی طرف نگاہ کرتی ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اس کی اصل شناخت کی جڑیں اس مقامی ماحول میں نہیں بلکہ دور بہت دور کہیں پیوست ہیں۔ لندن منتقلی کا خیال رابعہ کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک پیدا کر دیتا ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے گویا وہ جلد ہی غلبہ اسلام کی اس تحریک کا اہم جز بن سکے گی جس نے نوجوانوں کے حوالے سے لندن کی دانش گاہوں میں ایک معرکہ برپا کر رکھا ہے اور جس سے مغرب بے انتہا خوفزدہ ہے۔